مجموعۂ بیانات

(حصہ اوّل)

حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

مفتی روشن شاہ صاحب قاسمی

مدرس دار العلوم حسینیہ اکولہ



ادارہ اشاعت دینیات (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مجموعۂ بیانات

حصّہ اوّل

حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ

مرتّب

(مفتی) روشن شاہ صاحب قاسمی
مدرس دار العلوم حسینیہ، اکولہ

اِدارہ اشاعتِ دینیات (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۶۸/۲- جھا ہاؤس حضرت نظام الدینؒ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳ (انڈیا)

نام کتاب	مجموعہ بیانات (حصہ اول) حضرت جی مولانا محمد یوسف رحؒ
مرتب	مفتی روشن شاہ صاحب قاسمی مدرس دار العلوم حسینیہ باسم روڈ، اکولا، ۴۴۴۰۰۲، مہاراشٹر
تعداد صفحات	۱۱۲
کتابت	منشی محمد انور
ناشر	ادارہ اشاعت دینیات (پرائیویٹ لمیٹڈ)
زیر اہتمام	محمد انس
مطبع	جوہر آفسٹ پریس، دہلی

ISBN 81-7101-194-2

فہرست عنوانات

مجموعہ بیانات حضرت جیؒ

عنوان	صفحہ
عرضِ مرتب	۴
حضرت جیؒ کے بیانات کے بارے میں اکابر کے تأثرات	۵
ارشادِ گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب علیہ الرحمۃ	〃
رائے گرامی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی	۷
رائے عالی مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہ العالی	۸
ارشادِ گرامی حضرت مولانا مفتی محمد نسیم احمد صاحبؒ امروہوی	۹
ہم ذکر والے بن گئے تو؟	۱۰
حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا ایک خصوصی خطبہ	
مدینہ منورہ میں حضرت جیؒ کا ایک خطاب	۱۸
ایک بادشاہ کا واقعہ	۲۱
قربانی تمام پریشانیوں کا علاج ہے	۲۳
دعوتِ ایمان وعمل	۳۸
شادی کی تقریب میں حضرت جی رحؒ کی ایک اہم تقریر	۴۹
لائل پور میں حضرت جیؒ کا پروانوں سے خطاب	۵۲
عہدِ نبویؐ میں دینی محنت کا نقشہ	۵۸
راہِ خدا میں نکلنے والے قافلوں کے لیے حضرت جی رحؒ کی ہدایات	۶۷
صحابۂ کرام رضؓ کی محنت سے سارے عالم میں اسلام پھیلا!	۷۵
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال میں ڈیڑھ سو جماعتیں نکالیں	۸۰
صحیح محنت کامیابی کی منزل ہے	۸۵
خدائی نظام	۸۸
قرآن کیا کہتا ہے؟	۹۲
مدینہ منورہ سے رخصت ہونے والی جماعتوں کو حضرت جی رحؒ کی ہدایات	۹۴
آں حضرتؐ کی محنت کیا ہے؟	۹۸

عرضِ مرتّب

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

اس عاجز ناکارہ بندہ پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کے بے شمار احسانات میں سے ایک یہی ہے کہ اس نے حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب علیہ الرحمہ کے بیانات حصہ اول کو ترتیب دے کر منظرِ عام پر لانے کا ذریعہ بنایا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یقین کے ساتھ اُمید ہے کہ جن بندوں میں خیر و ہدایت کی کچھ استعداد ہوگی وہ ان بیانات کے مطالعہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور منتفع اور متأثر ہوں گے۔

یہ بندہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے بے شمار احسانات کی طرح اس کرم واحسان کا بھی ادائے شکر سے عاجز وقاصر ہے اور بس دعا کرتا ہے کہ جس طرح محض اپنے لطف وکرم سے اس نے یہ کام لیا ہے اسی طرح اس کو قبول فرمائے اور اپنے بندوں کے لیے نافع بنائے اور میرے لیے ذریعۂ نجات بنادے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد روشن شاہ قاسمی سنوروی
مدرس دارالعلوم حسینیہ باسم روڈ آکولہ
۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
۱۸ ستمبر ۱۹۹۴ء

حضرت جی رح کے بیانات کے بارے میں اکابرِ اُمت کے تأثرات

صاحبِ بیانات عارف باللہ، مجاہد فی سبیل اللہ، داعی الی اللہ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کی ذاتِ گرامی محتاجِ تعارف نہیں۔ رہے آپ کے مواعظ وبیانات تو اس کے نفع وتاثیر کی شہادت میں ایسے چند اکابرِ اُمت کے تأثرات وخیالات جن کا علم وعمل مسلّم ہے، نقل کردینا کافی سمجھتا ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رح کے وصال کے بعد ہی ایک پرواز اس نے (یعنی مولانا محمد یوسف علیہ الرحمہ نے) کی جس کے متعلق اس ناکارہ کا اور حضرتِ اقدس مولانا رائے پوری رح کا یہ خیال ہوا کہ چچا جان نوّر اللہ مرقدہٗ کی نسبتِ خاصہ منتقل ہوئی اور ہر ہر بات میں اس کا خوب مشاہدہ ہوتا رہا۔ حضرت مدنی قدس سرّہٗ کے وصال کے بعد سے مرحوم میں ایک جوش کی کیفیت پیدا ہوئی اور کسی بڑے سے بڑے ذی وجاہت شخص کے سامنے بھی اپنی بات کو نہایت جرأت اور بے خوفی سے کہنے کا ظہور ہوا اور وہ بڑھتا ہی رہا، اس کے بعد حضرتِ اقدس رائے پوری نوّر اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد اس کی گفتگو و تقاریر میں انوار وتجلیات کا ظہور پیدا ہوا، کیا بعید ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی خصوصی توجہات اور مرحوم کے ساتھ خاص شفقت اور محبّت کا یہ ثمرہ ہو۔

(ماخوذ از حضرت جی رح کی یادگار تقریریں صفحہ ۹۰)۔

مولانا محمد یوسف مرحوم کے حادثہ کے بعد لوگوں نے عجیب عجیب خواب دیکھے اور لکھے، لیکن ایک عورت کا خواب جو اس ناکارہ کے نزدیک بہ لفظ واقعہ ہے

اس عورت کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ مرحوم کے حادثہ پر ہر وقت روتی تھی، کسی وقت بھی چُپ نہ ہوتی تھی، بار بار وضو کرتی اور تسبیح لے کر بیٹھ جاتی۔ وہ اسی حال میں ایک دفعہ وضو کر کے تسبیح لے کر بیٹھی تھی کہ اس کو غنودگی آ گئی، اس نے عزیز مرحوم کو (خواب) میں دیکھا، وہ فرما رہے ہیں کہ کیوں پاگل ہو گئی ہے، مرنا تو سبھی کو ہے، تعلق مالک سے پیدا کیا کریں، بندہ سے نہیں، اس پر اس عورت نے والہانہ انداز میں یوں کہا:۔

حضرت جی یہ ایک دم ہی ہوا؟

مرحوم نے کہا کچھ بھی نہیں، کچھ دنوں سے جب میں تقریر کیا کرتا تھا تو مجھ پر تجلیاتِ الٰہیہ کا خاص ظہور ہوتا تھا۔ اس مرتبہ جب میں رات کو تقریر کر رہا تھا تو ان تجلیاتِ الٰہیہ کا اتنا ظہور ہوا کہ میرا قلب ان کا تحمل نہ کر سکا اور دورہ پڑ گیا۔ اس کے بعد مجھے ایک بہت بڑا گلاب کا پھول سنگھایا گیا، اس کے ساتھ میری روح نکل گئی۔

(ماخوذ از "حضرت جیؒ کی یادگار تقریریں" صنہ ۹)

حضرت شیخؒ کا ارشاد گرامی

مرجع التبلیغ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کام کرنے والے احباب سے اصرار کے ساتھ میری درخواست ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ملفوظات وارشادات اور دونوں کی سوانح عمریاں اور مکاتیب بہت اہتمام سے مطالعہ میں رکھا کریں کہ یہ کام کرنے والوں کے لیے بہت قیمتی موتی ہیں (ان ملفوظات وارشادات اور مکاتیب میں جو اصول ہیں) ان اصولوں کی پابندی کام میں اضافہ ترقی اور برکت کا سبب ہے

ماخوذ از: جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات صہ ۱۲۵

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں:۔

اس عاجز نے پڑھنے کے زمانے میں خدا کے فضل سے محنت سے پڑھا، اور پڑھانے کے زمانے میں بھی محنت سے پڑھایا۔ ذہن وحافظہ کی نعمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں رکھا تھا، لکھنا پڑھنا اور مطالعہ ہی اصل مشغلہ رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے استاذ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کبھی کسی کے علم سے مرعوب و متأثر نہ ہو سکا، لیکن حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب حاضری نصیب ہوئی تو محسوس ہوا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک علم عطا ہوا ہے جو مدرسہ اور کتب خانہ کا علم نہیں ہے۔

ان کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریروں میں بھی صاف محسوس ہوتا تھا کہ وہی علم ان کو بھی عطا ہوا ہے، اور قوتِ بیان مزید برآں۔ آپ کی تقریر سے ایمان میں جان پڑتی تھی اور کھلی ترقی محسوس ہوتی تھی اور قرآن مجید کی جن آیتوں میں ایمان کی زیادتی اور اضافہ کا ذکر کیا گیا ہے ان کی صحیح تفسیر سمجھ میں آتی تھی۔ آپ کی تقریروں کو سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے مواعظ سے بڑی قریبی مشابہت تھی۔[1]

[1] سوانح حضرت جیؒ صہ ۱۰۵ تذکرہ مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مکتوب گرامی

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی مدظلہ العالی

بانی ومہتمم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ، یوپی

مکرمی جناب مفتی روشن شاہ صاحب دام کرمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حالات کا علم ہوا آپ کی تصنیف کردہ تین کتابیں (۱) ملفوظات حصہ اول (۲) بیانات حصہ اول (۳) مکاتیب حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ حصہ اول موصول ہوئیں بہت پسند آئیں۔ یہ سلسلہ آپ جاری رکھیں بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا۔ اللہ پاک تمام موانع دور فرمائیں۔ میرے لیے دعا کرتے رہیں۔

احقر صدیق احمد

۳۰ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ

مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھے اپنی بے بضاعتی اور تہی دامنی کا پورا احساس ہے، لیکن یہ ایک تقدیری بات ہے کہ اس کو ممالکِ اسلامیہ کی سیاحت اور عالمِ اسلامی سے واقفیت کے ایسے ذرائع اور مواقع میسّر آئے جو بلا کسی تنقیص وتحقیر کے، اس کے ہم وطنوں اور ہم عمروں میں سے بہت کم اشخاص کو میسّر آئے ہوں گے۔ دنیائے اسلام اور بالخصوص ممالکِ عربیہ کے دینی، علمی اور روحانی حلقوں کو بہت قریب سے دیکھنے اور برتنے کا اتفاق ہوا۔ دورِ حاضر کی مشکل سے کوئی تحریک اور کوئی عظیم شخصیت ہوگی جس سے ملنے اور تعارف حاصل کرنے کی سعادت حاصل نہ ہوئی ہو۔ اس وسیع واقفیت کی بناء پر (جو کسی کا ذاتی کمال اور سرمایۂ فخر نہیں) یہ کہنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ:۔

اپنی تقاریر و بیانات میں ایمان بالغیب کی دعوت اور تاثیر کی وسعت و قوت میں اس ناکارہ نے اس دور میں مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کوئی مقابل نہیں دیکھا۔[عہ]

عہ تذکرہ مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۔

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب رح فریدی امروہوی لکھتے ہیں کہ:۔

میں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین اور اکلوتے باکمال صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قریب سے دیکھا، دُور سے دیکھا، سفر میں دیکھا، حضر میں دیکھا۔ خلوت میں دیکھا، جلوت میں دیکھا، عمومی اجتماعوں میں دیکھا، خصوصی محافل و مجالس میں دیکھا، ان کی روح پرور باتیں سنیں ان کی پرشکوہ تقریریں سنیں، ان کی تقریر کی محفل میں بسا اوقات ایک دن میں آدمی کی کایا پلٹ ہوجاتی تھی۔[1]

یقیناً ان اکابرِ دین کی یہ شہادتیں ہمارے اطمینان و تصدیق کے لیے کافی و وافی ہیں، لہٰذا ان بیانات کا حق یہ ہے کہ ان کا بغور مطالعہ کریں اور ان پر عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہمیں اور تمام مسلمانوں کو پڑھنے اور عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

محمد روشن شاہ قاسمی سنوروی

۱ تذکرہ مولانا یوسف صاحبؒ ص ۴۲، ص ۴۳

بیان نمبر ۱

ہم ذکر والے بن گئے تو ــــ؟

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا ایک خصوصی خطبہ

جمعۃ المبارک مورخہ ۶ ذوالحجہ ۱۳۷۸ھ

بھائیو، دوستو اور بزرگو! اللہ نے انسانوں کو دنیا اور آخرت میں کامیابیوں کے حصول کے لیے اور ناکامیوں سے بچنے کے لیے دین مرحمت فرمایا ہے۔ دین بمعنی کُلّی ایک معاشرہ ہے جس میں مختلف طبقات کے لوگ مل کر زندگی گذارتے ہیں۔ دین، خدا کی ذات سے استفادہ کا طریقہ ہے، وہ ایک محنت کو چاہتا ہے۔ دین غیر اللہ کے وجود کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ خدا تعالیٰ کے وجود کی بنیاد پر ہے، غیر کی نفی کی جاتی ہے اور خدا کی ذات کا اثبات کیا جاتا ہے۔ پرورش نہ کرنا، عزت اور ذلت دینے کا تعلق غیر سے نہیں ہے بلکہ خدا کی ذات سے ہے، اس لیے یہ رعایت دین میں کی گئی کہ یہ زمین، مکان، روپے پیسے سے بڑھ جاویں بلکہ خدا کے راضی کرنے کی رعایت رکھی گئی ہے۔ مال کو سامنے رکھ کر دین نہیں دیا گیا، جو لوگ یوں دیکھیں گے کہ کس صورت سے مال ملتا ہے، مکان ملتا ہے وہ دین پر نہیں چلیں گے۔ صرف ایک بات سامنے رکھ کر دین دیا گیا ہے، پیٹ بھرنا، عزت دینا وغیرہ آیا خدا کی ذات پر موقوف ہے یا غیر سے ہوگا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اگر چاہیں سارے غیروں کے بغیر عزت دے کر دکھلا دیں، سیراب کر کے دکھلا دیں، اور ہر ایک کا وجود خدا کے دینے سے قائم ہے جس وقت چاہیں ایک شکل و صورت کو دوسری سے تبدیل کر دیں۔ وجود و عدم، عزت و ذلت کسی پر موقوف نہیں بلکہ خدا کی ذات پر موقوف ہے۔ اول تو غیر خدا میں کچھ اختیار نہیں۔ جو انسان دیکھ رہا ہے وہ قبضۂ خدا میں ہے اور لامحدود ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا کام ہے غیر کے وجود کی نفی اور اللہ کی ذات میں اثبات کرنا اور لامتناہی بتلانا اللہ اکبر کا کام ہے۔ حکومت میں جو کچھ دکھائی دے رہا ہے وہ ذاتی نہیں ہے بلکہ خدا کی ذات میں موجود ہے لہٰذا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مطلب یہ ہوا کہ غیر اللہ سے روابط قائم کرنے کی بجائے تم خدا کی ذات سے رابطہ قائم کرو۔ پھر تمہارے لیے ایسا انتظام ہو جائے گا جو خدا کی رضا میں ہے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں وجود کی نفی بھی ہے، اثبات بھی ہے کہ وجود کا تعلق کہاں ہے کہاں نہیں ہے۔ کلمہ غیر اللہ سے ہمارے روابط کو توڑ کر خدا کی ذات سے قائم کرتا ہے۔

دنیا اور آخرت میں سُرخروئی کا نسخہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نے دیا ہے، زمینوں، دریاؤں، ہواؤں، پہاڑوں کے تابع تم نہ ہوگے، بلکہ یہ سب تمہارے تابع ہو جائیں گے۔ بشرطیکہ رابطہ صحیح ہو جائے۔ زمین دار کو کہا جا رہا ہے کہ زمین سے دلی رابطہ رکھنے کی بجائے خدا سے رابطہ قائم کر، جس وقت زمین میں محنت کو کہا جائے محنت کر اور جب چھوڑنے کو کہا جائے چھوڑ دے۔ ملازمت سے دل لگاؤ مت رکھ، حکمِ خداوندی کو پیشِ نظر رکھتے ملازمت کے سارے شعبے چلیں گے۔ صرف یوں دیکھنا پڑے گا کہ اصل وہ چیزیں ہیں یا خدا کی ذات ہے جس نے شکلیں بنائیں اور آئندہ وہ ان پر قبضہ رکھتا ہے اور جس وقت چاہے بدل کر رکھ دے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یہ ہے کہ ہمیں صرف ایک اللہ کو سامنے رکھ کر چلنا ہے۔ وجود کے سارے سلسلے صرف ایک ذات کے اشارے سے چل رہے ہیں۔ ماؤں کے پیٹ میں، زمینوں کے اندر بیج کے اُگنے وغیرہ تک میں جو ہو رہا ہے وہ صرف خدا کی ذات کے حکم سے ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ نبیوں تک کا بھی دخل نہیں ہے۔ نبیوں کے ہاتھوں نابیناؤں کا بینا ہونا، کوڑھ والے کا اچھا ہونا یہ معجزات ہیں۔ معجزات اونچے ہیں یا ہدایت موضوعِ نبوت معجزات نہیں ہیں، بلکہ موضوعِ نبوت ہدایت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس لیے نہیں بھیجے گئے کہ وہ مُردوں کو زندہ کر کے دکھلا دیں بلکہ وہ خدا کا راستہ دکھلانے آئے۔ جو انسانوں کو منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ مقصود یہ ہے کہ وہ لوگوں میں مخلوق سے نظر ہٹا کر خالق کی

ذات کا یقین پیدا کریں۔ معجزات کے دلائل النبوت سے ثابت کرتے ہیں اور موضوع نبوت خلقِ خدا کو سیدھا راستہ دکھانا، دارین کی فلاح کا راستہ دکھانا، لوگ عام چیزوں کے حصول کی طرف گامزن ہیں۔ اگر اسی مقصد میں انہوں نے اپنے عمل کو بگاڑ لیا تو انہوں نے دنیا میں فساد کی صورت پیدا کر دی۔

اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے، اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہے گا ہدایت دے گا۔ اللہ پاک کا فرمان ہے: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ یہ آیت اس وقت اُتری جب ابوطالب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان نثار کرتے تھے بغیر ایمان مر رہے تھے۔ ابوطالب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تھا تو کلمہ کا خیال آتا تھا لیکن دوسری طرف ابوجہل وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے وہ ان کا لحاظ کرتا تھا۔ آخر یہ کہتے ہوئے جان دے دی کہ میں عبدالمطلب کے مذہب پر مرتا ہوں۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کا سرچشمہ بن کر آئے ہیں۔ اگر ان میں بھی قوتِ ہدایت نہیں ہے بلکہ خدا کا اس موضوع پر قبضہ ہے، تو پھر زمین کا موضوع زمین نہیں ہے اور غلّہ کا موضوع غلّہ نہیں، شکلیں صورتیں سب ہیں، لیکن ہر شکل پر خدا کا قبضہ ہے اور خدا کی ذات پر کسی کا قبضہ نہیں ہے۔

خدا کی قدرت مشیت آزاد ہے۔ سب کے بغیر جو چاہیں بنا دیں جس طرح جنت دوزخ فرشتے و آسمان، غلّہ اور پھل اور انسان اور جانور جب پہلے نہیں تھے، انھیں خدا نے محض اپنی قوت سے بنایا۔ اب خدا کی قدرت بدل نہیں گئی۔ شکلوں کے وجود میں آنے کی وجہ سے جس طرح اس وقت خدا کی ذات پر موقوف تھیں۔ اسی طرح سے آج بھی وجود میں آجانے کے بعد خدا ہی پر موقوف ہے۔ ہر جنس کا ہر جزو کا وجود رضائے الٰہی پر موقوف ہے۔ ضروری نہیں کہ کھیتی ہوگی تو غلّہ پیدا ہوگا۔ اللہ چاہیں تو بغیر کھیتی کے غلّے بنا کر دکھلا دیں، بنیاد تو اسی کی ذات ہے جو ساری ذاتوں کو اپنی مشیت کے حصار میں لیے ہوئے ہے۔ لہٰذا دین کی شکلیں اسی وقت زندہ ہوں گی جب اور ذاتوں کو نظر انداز کیا جانے لگے۔ جب جذبہ یہاں آجائے کہ چیزوں کا بننا بگڑنا اور ان کا تغیّر و تبدّل ایک صف پر آجاویں اور صرف خدا کی رضا ہی رہ جاوے تو دین بہت آسان ہے،

مقصد کا راستہ آسان ہے۔ اگر راستہ بدلتے ہیں تو رسائی مشکل بن جاتی ہے۔ دریا پر پُل بنا ہوا ہے تو پُل پر گذرنا آسان ہے اور پُل چھوڑ کر گذرنا مشکل ہے۔ یہ خیال اگر یوں کروں گا تو پیسے نہیں ملیں گے۔ اس لیے دین کا مقابلہ ابتدا ہی میں مال اور چیزوں سے ڈالا ہے۔ جب امتحان میں پاس ہو جائے یعنی یہ کہ شکلوں کو کتنا مانتے ہیں اور شکلوں کے بنانے والے خدا کو کتنا مانتے ہیں حالانکہ شکلوں اور صورتوں میں کچھ نہیں رکھا حقیقت خدا کی مشیت اور اس کے احکامات میں ہے۔ اگر انسان تھوڑے دن میں اس امتحان میں پاس ہو جاوے تو اس کے لیے کامیابی کے راستے کھل جاتے ہیں۔ شخصی طور پر چلتا ہے تو شخص کے لیے مجموعی طور پر چلتا ہے تو مجمع کے لیے جو سب کچھ خدا کی قدرت میں ماننا ہے۔ اور خدا کی قدرت کو لینے کے لیے دین کو دیکھ کر چلتا ہے، تو تھوڑی ہی محنت کے بعد وہ سرسبز وادیوں میں پہنچ جائے گا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے دین میں کیا فرق ہے؟ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے مقابلے میں پیچھے نظر آتے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور آپؐ اپنی آخری ساعت میں یہ حکم فرما چکے تھے کہ ملکِ شام کو لشکرِ اسامہؓ کی امارت میں روانہ ہو جائے سب لوگ مسجد میں جمع تھے کہ ام ایمن رضؓ نے کہا جن کی نوعیت ایسی تھی کہ کسی اور کی نہیں تھی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پانی مانگ لیتی تھی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میری ماں کے بعد ام ایمن میری ماں ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مزاج پُرسی کو جایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی زیارت کو تشریف لے گئے۔ وہ انھیں دیکھ کر بہت ہی روئیں۔ انھوں نے تسلی دلائی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ درجہ ہے جو خدا کے پاس ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں اس بات پر نہیں رو رہی، بلکہ یوں رو رہی ہوں کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور اسامہؓ کو ابھی نہ بھیجیے گا، ان سے کچھ ہو نہ سکے گا۔ حضرت اُسامہؓ آئے تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی۔ ایک صبح حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہشاش بشاش تھے۔ حضرت ابوبکرؓ

نے اپنے گھر جانے کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے اجازت دے دی اور سب بیویاں رضؓ بھی
نہانے دھونے چلی گئیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو
گود میں لے کر بیٹھ گئیں۔ فرماتی ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ میری طرف کیا اور
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دہن مبارک سے ذرا سا لعاب نکالا جس کے پڑنے سے میرے بدن
میں سنسنی پھیل گئی۔ لوگ ملکِ شام کو روانہ ہو رہے تھے، ان کے قدم رکابوں میں جا چکے
تھے، سب اسی وقت رُک گئے۔ اس کے بعد پورے عرب میں سوائے مکہ و مدینہ اور طائف
کے، ارتداد پھیل گیا اور افراد چھپتے پھر رہے تھے۔ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ جو یمن کے
گورنر تھے وہ بھی پریشان تھے۔ وہاں اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ حضورِ اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت اُسامہ رضؓ کے لشکر
کو ملکِ شام جانے کا حکم فرمایا، لوگ حیران تھے کہ مسیلمہ کذاب زبردست لشکر لے کر
مدینہ منورہ پر آ رہا تھا۔ شجاع اس کے ساتھ مل کر اپنا لشکر لایا۔ ایسی صورت میں ہم شام میں
لشکر بھیجیں یا نہ بھیجیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے سب کو جمع کیا، سب کی رائے نہ بھیجنے کی
تھی۔ لوگوں نے کہا یہ حالات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں تھے۔ آپؓ نے
ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آتی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے لشکر کو ملکِ شام روانہ ہونے کا حکم فرمایا، اور بقیہ ڈیڑھ سو
غازیوں کو لے کر قبیلوں کی طرف بڑھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ لشکر روکنے پر تیار نہ ہوئے
تو حضرت عمر رضؓ نے امیر بدلنے کی درخواست کی۔ آپؓ نے ان کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی اور فرمایا کہ
اس شخص کو امیر نہ بناؤں جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنایا۔ بظاہر کے خلاف چلنے
سے یہ ہوا کہ رات دن جو مسافر جا رہے تھے وہ اپنے اپنے علاقوں میں جا کر کہتے کہ ہم نے مسلمانوں
کا ایک ایک لشکر فلاں جگہ دیکھا۔ دوسرا کہتا کہ ہم نے فلاں جگہ دیکھا اور جس قافلہ کو حضرت
ابوبکر صدیق رضؓ لے کر نکلے، انہوں نے کہیں صبح کہیں شام اور کہیں شب خون مارا تو لوگوں نے سمجھا
کہ مسلمانوں کے پاس زبردست لشکر ہے۔ جب رومیوں کو خبر ملی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ
وسلم کے انتقال کے بعد فوراً اتنا بڑا لشکر آ رہا ہے تو وہ سمجھے کہ نہ معلوم مسلمانوں کی کتنی فوج مدینہ

منورہ میں ہے۔ اصل مقابلہ تو رومیوں سے بعد میں ہوا ہے۔ اس وقت تو ابتدا ہی ہوئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنی ساری عمر کی نیکیوں کو حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چوبیس گھنٹوں کی نیکیوں سے بدلنے کے لیے تیار ہوں۔ وہ دن جب
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اور وہ رات جو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضورِ اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار میں گذاری۔ اس بات میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سب سے آگے
ہیں کہ ظواہر کے خلاف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قدم اٹھایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے
کہ اگر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نظر انداز کر دیتا تو سارا مدینہ منورہ آگ کی بھٹی
بن جاتا۔ شکلیں بنانے والے نے بنائی ہیں۔ اگر وہ چاہے گا تو شکلوں کو ہمارے موافق کر دیگا۔
شکلوں صورتوں کو سامنے رکھ کر دین نہیں دیا گیا ہے۔ انسان کے سامنے شکلیں آویں گی، اور
دین ان کے مقابلے میں آوے گا بلکہ شکلوں کو وجود دینے اور ان میں تغیّر و تبدّل پیدا کرنے والے
کو سامنے رکھ کر دین دیا گیا ہے۔ مقابلے کے وقت شکلوں کو نظر انداز کیا جائے اور خدا کے حکم پر
پورا عمل کیا جائے۔ شکل تو خالق مالک کے ہاتھ میں ہے۔ کل کو اس نے یہ شکل بگاڑ دی تو تم کیا
کر سکو گے۔ اسلام عمل کی شکلوں کا نام ہے۔ تجارت، زراعت، اُمورِ خانہ داری، حکومت
میں کون سی شکل دین ہے، عملی شکلوں ہی کا نام دین ہے، خدا کی تجویز کردہ شکلیں ایسی ہیں
جن میں مجموعہ زندگی کے نفع کو سامنے رکھا گیا ہے۔ حاکموں، محکوموں، تاجروں، زراعت والوں
کو وہ شکل دی ہے جن سے اجتماعی زندگی کامیاب بنے۔ جب ان شعبوں کو اللہ کی بتلائی ہوئی
شکلوں پر لاؤ گے تو وہ ان کے اندر سرسبزی لائیں گے۔ چیزوں کے اعتبار سے، مادّہ کے اعتبار
سے جو شکلیں بن کر آتی ہیں ان کو تو نظر انداز کرنا ہے اور خدا کی بتلائی ہوئی شکلوں کو اختیار کرنا
ہے۔ جب ایسا معاشرہ تیار ہو جائے۔ ایک طرف حاکموں کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس
دلایا جائے اور محکوموں کو ان کی ذمہ داریوں کا تو صحیح زندگی وجود میں آوے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ لکڑی ہاتھ سے ڈال دو تو وہ فوراً اژدہا بن
گئی۔ اور جب اژدہا پر ہاتھ ڈالا تو وہ پھر لکڑی بن گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گھبرا کر ملکِ مصر
سے بھاگے تھے لیکن جب خدا تعالیٰ کا حکم لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام جا رہے تھے تو ان کے

ہمراہ زبردست طاقت تھی۔ اللہ رب العزت کا حکم ہوا کہ فرعون کے سامنے اللہ کی توحید پیش کرو اگر وہ مقابلے پر آوے گا تو اللہ پاک اس کو توڑ پھوڑ کر رکھدیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے دھڑک فرعون کے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں، وہی موسیٰ علیہ السلام اس کی سی آئی ڈی سے چھپ کر چلے گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مکالمہ شروع ہوا، اور بات وہی کہی جس سے وہ آگ بگولہ ہو جائے یعنی یہ کہ تو خدا نہیں ہے۔ خدا وہ ہے جس نے سارے جہانوں کو بنایا ہے اور میں اس کا رسول ہوں۔

اندازہ لگاؤ کہ اس بات سے فرعون کس قدر غصہ میں آیا ہوگا، خدا نے اس یقین کی قوت پر شکلیں توڑ کر دکھائیں، قارون کو زمین میں دھنسا کر دکھا دیا کہ مال کوئی طاقت نہیں ہے۔

معجزات میں خدا کی قدرت کو دکھلایا ہے۔ ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ستایا گیا اور آپ بہت غمزدہ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا اس درخت کو بلاؤ۔ وہ درخت گھسٹتا ہوا حاضر ہوا تو آپؐ خوش ہو گئے۔ ساری مخالفت کی شکلوں کو موافقت سے بدل دیا۔ وہ سہیل جو محمد رسول اللہ لکھنے کو تیار نہیں تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے، وضو کے پانی کو ہاتھ منہ اور سینہ پر مل رہا تھا، اصل شکل نہیں ہے بلکہ وہ خدا اصل ہے جس کی قدرت سے شکلوں کا وجود ہو رہا ہے۔ جنہوں نے شکلوں کی رعایت نہیں کی اور دین پر چلے اور شکلوں کو توڑا۔ ان کے لیے شکلوں کو وجود مرحمت فرمایا۔ دین شکلوں کو سامنے رکھ کر چلنا نہیں بلکہ اللہ رب العزت کے احکام کو سامنے رکھ کر چلنے کا نام ہے۔ انسان کی نظر صرف اس بات پر جاتی ہے جو خدا کی قدرت سے ظاہر ہو گئی ہے۔ انسان شکلوں سے متأثر ہو کر قدم اٹھاتے ہیں اور عملی غلطیاں کرتے ہیں، عمل خراب کرتے ہیں تو شکلیں بد سے بدتر ہوتی چلی جاتی ہیں، ساری خرابیاں شکل پرستی سے آتی ہیں۔ اور اگر خدا کی قدرت کو سامنے رکھا جائے گا تو کمالات آئیں گے۔

ایک شخص مکان والا تو بن گیا، لیکن اس نے یتیموں کا مال دبا کر، بیواؤں پر ظلم کر کے بنایا ہے تو اسی مکان کے نقشے میں اللہ رب العزت اس کو ذلیل کر کے دکھلائیں گے اور اگر عمل کی وجہ سے چیزوں کے نقشے خراب ہو گئے تو اللہ رب العزت اپنی قدرت سے چمکا کر دکھلا دیں گے۔

سارے شعبوں میں عملی معیار قائم کیا گیا ہے اسے پیش نظر رکھ کر چلنا دین ہے۔ قدرت مخالف اور موافق دونوں طرح ہو سکتی ہے، اگر مخالف ہو گئی تو چیزوں کے سارے نقشے خراب ہو جائیں گے۔ دنیا کے اندر جتنے شعبے ہیں ان کو چھوڑ کر محنت کا میدان قائم کیا جاوے گا کہ شکلیں خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ ہم سے راضی ہوں گے تو چیزوں کو ہمارے موافق استعمال کریں گے، اور اگر ناراض ہو گئے تو ہمارے خلاف استعمال کریں گے۔ دعوت اتنی چلے کہ اگر ساتھیوں میں سے جو بھی شکل سے متاثر ہو اس کی جگہ دوسرا داعی بن جائے۔ گھر کے اندر بچے مچل گئے اور بیوی کسی شکل سے متاثر ہو گئی تو ان کو دعوت دے کر تیار کیا جائے۔ پہلے دور میں عورتیں دعوت دیتی تھیں۔ کتنی عورتیں ہیں جن کی دعوت پر مرد مسلمان ہوئے ہیں، قرآن ہی تو دعوت ہے۔ پہلے زمانے میں دس سال تک دعوتِ قرآن ہی دی گئی اس میں اگر پٹائی ہوئی تو اس پر صبر کیا۔ دس سال تک وہ ایک ہی بات کرتے رہے کہ اخلاق اس کا نام ہے کہ اپنی جان و مال سے دوسروں کو فائدہ پہونچایا جائے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی جان و مال سے کی جائے۔

اگر نماز ذریعہ یقین بن گئی، علم کے حلقے قائم ہونے لگے اور ہم ذکر کرنے والے بن گئے تو ایسے داعیوں کا ذہن سب سے پہلے بدلے گا۔ اور ایسے لوگوں کو دیکھ کر ہزاروں کی زندگیوں کے نقشے بدلیں گے اور پھر جو ٹھوکریں مارنے والے ہیں وہ جوتے اٹھانے والے بن جائینگے اس محنت کے لیے یہ نظام بنایا ہے کہ ایک دفعہ آدمی عمر میں تین چلّے دے اور ہر سال ایک چلّہ دیتا رہے، ہر ماہ میں تین دن دیا کریں اور ہر ہفتہ میں دو گشت کیا کریں۔ ایک دفعہ اپنے محلہ میں اور دوسری دفعہ قریبی محلہ میں۔ اگر عمر کے تین چلّے کا معمول بن جائے تو سارے ملکوں میں جماعتوں کے جانے کا اہتمام ہوگا۔ جب تم عمل کی ہمّت پیدا کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہارے لیے کامیابی کے دروازے کھول دیں گے۔

(ماخوذ از ماہ نامہ "حُسنِ اخلاق" دہلی۔ مارچ ۱۹۹۴ء عیسوی)

بیان نمبر ۲

مدینہ منورہ میں حضرت جی رح کا ایک خطاب

مورخہ ۳ر اکتوبر سنہ ۱۹۵۹ء

اس وقت ساری دنیا میں مسلمان اپنی اپنی مصیبتوں سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں ان کی کوششوں کا رُخ صحیح ہے یا غلط۔ ہماری اس محنت کا مقصد یہ ہے کہ ساری مسلمانوں کی کوشش صحیح ہو یہ اپنی مصیبتوں سے نکل جائیں۔ یہ محنت ساری دنیا کے اعتبار سے ایسی ہے جیسی ایک چیونٹی کی حیثیت یا لاکھوں کی نماز میں ایک نمازی کی حیثیت۔ لیکن اللہ نے ایک چیونٹی پر بھی بتا دیا، اور ایک آدمی پر بھی بتایا کہ وہ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بارش کی دعا ر مانگنے ساری قوم کو لے کر چلے، لیکن راستہ ہی سے واپس آگئے اور فرمایا کہ ایک چیونٹی نے دعا ر مانگ لی اور اس کی دعا ر قبول ہوگئی۔ اس چیونٹی نے وہ نوعیت اختیار کی جو اللہ کو پسند آگئی۔ اسی طرح اگر تمہاری محنت کی نوعیت اللہ کو پسند آگئی تو ضروری نہیں کہ سب اس کام میں لگ جائیں، تبھی ان کی مصیبت دُور ہو، بلکہ صرف تمہاری محنت پر سب کی مصیبت دور ہو جائے گی، اگر تمہاری محنت اللہ کو پسند آگئی۔

اسی طرح لاکھوں کی نماز میں اگر ایک اخلاص والا ہوگا تو سب کی نماز قبول ہو جائے گی جو ایک کو ملے گا وہ سب کو ملے گا۔

تم پوری اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دروازہ کھلوا سکتے ہو، بشرطیکہ تم قبول ہو گئے، اور اگر تمہاری محنت قبول ہوگئی تو اللہ تعالیٰ سب کچھ اس پر دیں گے۔

ایک حاجی نے حج کے بعد خواب دیکھا کہ دو فرشتے آپس میں ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایک کے بدلے ایک لاکھ کا حج قبول کیا، صرف تمہارا جانا سارے علاقوں کے لیے دفعِ بلا کا سبب بن سکتا ہے۔ اگر تمہارا جانا اللہ کو پسند آجائے۔ اس راستے میں

انسان طبیعت کی چیزوں کو چھوڑ کر جاتا ہے لیکن طبیعت اور نفس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ نفس جس طرح اپنی چیزوں میں لگاتا ہے، اسی طرح دوسری جگہ بھی اپنی ایڑی لگائے بغیر نہیں رہے گا نفس ساتھ ہے، شیطان ساتھ ہے خواہ کتنی چیزیں چھوڑ کر جائیں یہ دونوں ساتھ ہیں۔ اور یہی خطرہ کی بات ہے۔ اب یہ مجاہدہ کا کام ہے کہ ہم چوکنے رہیں اور ان دونوں سے بچے رہیں۔

رحمتِ حق بہا نہ می جوید　　رحمتِ حق بہا نمی جوید

اگر مزدوری کرنی ہے تو صبح سے شام تک گھِس گھِس کر کے اتنا ہی ملے گا جتنا کام کریں گے لیکن اگر بہانہ تلاش کر رہے ہیں تو پھر مجاہدہ کرنا ہوگا نفس اور شیطان کے فریب سے بچنا ہوگا۔

مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کے وقت ترکوں نے اعلان کیا کہ جو مسجد میں ہاتھ بھی لگا دے گا اس کو پورے دن کی اجرت دی جائے گی چنانچہ اپنے دودھ پیتے بچوں کو لے کر اور ان کا ہاتھ لگوا کر پورے دن کی مزدوری لے جاتے تھے۔ یہ تو انسانوں کی مثال ہے۔ انسانوں کو اللہ پاک سے کیا۔ اللہ تعالیٰ دینا چاہے تو ان کے بہانے کے کیا کہنے، وہ محنت کے واسطے محنت نہیں کراتے بلکہ دینے کے لیے بہانہ بنانے کو محنت کرا رہے ہیں۔ یہ اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصی معاملہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نے کچھ مزدوروں کو ظہر تک کام پر لگایا۔ ان کو ان کی مزدوری پوری پوری دے دی۔ دوسرے مزدوروں کو ظہر سے عصر تک لگا دیا۔ ان کو بھی اتنی ہی مزدوری دے دی، تیسرے مزدوروں کو عصر سے مغرب تک لگایا، اُن کو سب سے زیادہ اُجرت دی۔ حالانکہ ان کا وقت بہت کم تھا، یہ اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اللہ پاک ہم کو دینے کے لیے بہانہ بنانے کو کرا رہے ہیں کرنے کے لیے نہیں کرا رہے ہیں بس اس کام کو کرنے کے تین پہلوؤں کی شباہت پیدا ہو جائے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری رات نماز پڑھی، ٹانگوں پر ورم ہوگیا۔ ہم نے اگر پچھلی رات چار رکعت بھی پڑھ لی تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت ہوگئی اور ساری رات کی عبادت کا ثواب مل گیا، جب پانچ منٹ ان کی تشابہت ہوئی۔

یہ سفر خدا کی دہش والا سفر ہے۔ سارے کام کرنے والوں کے لیے یہ کام ایک بہانہ ہے ہم سے محنت لینا محض دینے کا ایک بہانہ ہے۔ اب اس میں ضروری ہے کہ ان کو خوش کر دیں ہم پر بھی یہ کرم ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا پچاسواں حصہ بھی کر لیں تو وہ خوش ہو جائینگے اور وہ دیں گے جو صحابہ رض کو دیا۔ ہم کو اللہ سے فیصلے کرانے ہیں۔ جیسے صلح حدیبیہ میں فیصلے ہوئے تھے۔ دیکھنے میں یہ کہ ہم دب گئے، ہماری ناک کٹ گئی لیکن حقیقت میں وہ فتح مبین تھی۔ کیونکہ خدا کی بات پوری ہو گئی۔ اور اس پر اللہ پاک خوش ہو گئے، اور صحابہ کرام رض نے اپنی طبیعت پر خواہش کے خلاف قابو پالیا۔ پھر بغیر ظاہری اسباب کے اللہ پاک نے اونچے اونچے صحابہ رض کو اسلام میں داخل کیا۔ حضرت عمرو بن العاص رض اور حضرت خالد بن ولید رض کے آنے کے بعد چروا ہے نے بھی کہا کہ مکہ کی کنجیاں ہمارے ہاتھ میں آگئیں۔

اللہ کے راستے میں نکلنا بغیر طبیعت کو دبائے نہیں ہوتا، ہر موقع پر طبیعت چلے گی بس اس کو دبانا ہے، کفر کی شکست کی اصلی چیز اپنی طبیعت کو دبا جانے پر قادر ہو جائے، صرف اسی صفت سے سارے کفار شکست کھا جائیں گے۔

طبیعتیں حضرت خالد رض کو چاہتی تھیں، لیکن ان کو معزول کر دیا۔ صحابہ رض کو ساری عمر اپنی طبیعتوں کو دبانا پڑا ہے۔ جب تک وہ ایسے رہے تو اجتماع باقی رہا اور دوسرا عنصر غالب ہو گیا تو اجتماع ٹوٹ گیا۔ خفیہ دشمن اندر سے مشورے دے گا، اور طبیعت کو ابھارے گا طاعت کو بھی طبیعت لگنے سے نہ کرو۔ طاعت اعمالِ صالحہ کو ان کی ترتیب سے کرنے کا نام ہے۔ طاعت وہ بنے گی کہ اپنی طبیعت کو دبا کر جس چیز کا اللہ کا حکم ہے اُس کو کریں۔ اللہ کو خوش کرنے والی چیز یہ ہے کہ اپنی طبیعت کو دبا کر حکم کی لائن سے کام کیا جائے۔ تم امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امراض اور پریشانیوں کا علاج ہو، بشرطے کہ طبیعت کو دبا کر چلو۔ آج عنقا یہ ہے کہ اللہ کے دین کے بلند ہونے کے لیے اپنی طبیعت کو دبا کر آپس میں جڑ جائیں۔ ہم میں یہ اخلاص ہو کہ اللہ کا کام اور دین کا کام سارے عالَم میں چل جائے۔ طبیعت کو دبا کر مشوروں سے کام کیا جائے۔ اگر مشورہ نہ کیا جائے یا مشورہ نہ مانا جائے تب بھی طبیعت اُبھرے گی حضرت ابوایوب انصاری رض کے امیر یزید اور عبدالملک بنے تو وہ دین کے لیے نہ نکلے، پھر ساری عمر

روتے رہے کہ مجھے امیر سے کیا لینا تھا، میں کیوں اللہ کے راستے میں نہ گیا۔ امام حسن رض اور امام حسین رض اور امام جعفر رض سب کے سب یزید کی امارت میں نکلے اور عبدالملک کی امارت میں پھرے ہیں۔

جو اللہ کے لیے استعمال ہونے والا بن جائے۔ اور اپنی طبیعت کو توڑنے والا بن جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں آئیں گی جو اُن میں اول نمبر ہو گا تو اس کی وجہ سے ساری جماعت اللہ کو پیاری ہو گی، تم یہ کام کرو گے اللہ تعالیٰ دوسرے نقشوں کو اپنی قدرت سے بدل دیں گے آج مسلمانوں سے یہ شعور نکل گیا کہ کس کام میں ہماری عافیت ہے اور کس میں ہلاکت، اللہ تعالیٰ اس شعور کو بدل دیں گے، اگر تم اس کا سبب بن گئے تو آخرت میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں تمہارا شمار ہو گا۔ کیونکہ جو لوگ اُمت کے فساد کو دور کرنے کے لیے استعمال ہوں گے ان کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت ہو جائے گی، جتنا تم کر سکتے ہو اگر اتنا کر لو تو اللہ تعالیٰ اس کے دروازے کھولیں گے جو ہم نہیں کر سکتے۔ وقت اپنا اس طرح گذارو کہ اللہ کو تمہارا نکلنا پسند آجائے۔ مدینہ منورہ سے نکلنا بہت قیمتی ہے۔

کام کا سارا نقشہ جب قابو میں آئے گا جب ساری جماعت کو مجموعی طور سے اپنی طبیعت دبانی آجائے۔

ایک بادشاہ کا واقعہ

ایک بادشاہ اپنے محل میں سویا ہوا تھا۔ آدھی رات کے وقت اُس کی آنکھ کھُلی، اور دل میں اپنے خزانوں کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی، اسی وقت اٹھ کر چابیاں لے کر خزانے کو کھول کر انہوں نے جب سونے چاندی، لعل وجواہر کو دیکھا جو چمک رہے تھے تو دل میں خیال آیا کہ یہ خزانہ تو میری دس پشتوں تک کے لیے کافی ہے۔ بادشاہ کی یہ بات اللہ کو پسند نہ ہوئی اور بادشاہ کو دکھانے کے لیے بلکہ پورے انسانوں کو سمجھانے کے لیے وزیر کی بھی آدھی رات کو آنکھ کھُلی، اور خیال ہوا کہ میں نے حساب کے لیے عصر کے وقت خزانے کو کھولا تھا لیکن یاد نہیں کہ میں نے دروازے کو کھُلا چھوڑا تھا یا بند کیا تھا۔

اسی وقت چابیاں لے کر جب خزانے کے پاس آیا تو دروازہ کُھلا ہوا تھا، اندر جائے بغیر ہی دروازے کو بند کیا۔ بادشاہ خزانے کے اندر ہی بند ہوگیا، صبح جب بادشاہ دربار کو نہیں آیا تو وزیروں نے محل کے اندر پیغام بھیجا، لیکن محل سے جواب آیا کہ بادشاہ آدھی رات کے وقت محل سے نکلے ہوئے ہیں، اور ہمیں کوئی پتہ ہی نہیں کہ کہاں گئے ہیں۔ بہر حال بہت دنوں تک تلاش کیا، مگر کوئی پتہ نہیں چلا۔ پندرہ بیس دنوں بعد جب خزانے کو کھولا تو بادشاہ مُردہ حالت میں خزانے کے اندر پڑا ہوا ملا۔ اور ساتھ ایک پرچہ لکھا ہوا پڑا تھا کہ جو دنیا کے سونے چاندی اور جواہرات کے ساتھ دل لگا لیتا ہے، اُس کا حشر میرے جیسا ہوگا۔ جیسا کہ میرا ہوا۔

اللہ پاک کی مدد اُتارنے کے لیے تین چیزیں اختیار کرنا ہوں گی:۔

تقویٰ صبر دعا۔

(ماخوذ از ماہنامہ "حسن اخلاق" نومبر ۱۹۹۳ء عیسوی)۔

بیان نمبر ۳

قربانی تمام پریشانیوں کا علاج ہے

ڈھاکہ مشرقی پاکستان میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی تقریر

میرے بھائیو اور دوستو!

دنیا میں جتنے بھی مسلمان ہیں، وہ سب کے سب اپنی جگہوں پر پریشان ہیں۔ اور آج دنیا میں کہیں ایسی اقلیت اور اکثریت نہیں کہ چند سو مسلمان ہوں اور کروڑوں غیر مسلم ہوں، مجموعی طور پر غیر مسلم ساری دنیا کے مسلمانوں سے دوگنے ہیں۔ بہت بڑی اکثریت میں حکومتوں، فوجوں اور اسباب و وسائل کے ساتھ مسلمان ہیں اور مادی طور پر چمکنے کے سارے سامان موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ہر جگہ کے ہر طبقہ کے مسلمان پریشان ہیں۔ پریشانی ان سب کے لیے ایک شعار ہوگئی۔ پریشانیوں کے احساس کے طبقے مختلف ہیں۔ کچھ دینی نقطۂ نظر سے پریشانیوں کو قیاس کرنے والے ہیں۔ تجارت، زراعت، صنعت، حکومت کے اعتبار سے بھی پریشانیاں سوچی جارہی ہیں۔ اور ہر طبقہ میں پریشانی سے نکلنے کی تدبیریں کی جارہی ہیں۔ رواج کے مطابق جو سمجھ میں آئے اس کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔ رواج کے اعتبار سے طریقے اختیار کرتے ہیں، جو مزید پریشانی کا سبب بنتے ہیں۔

آج محنتوں کا رُخ حق تعالیٰ شانہٗ کی مدد کے اصولوں پر نہیں، بلکہ ان کو چھوڑ کر رواجی طریقوں پر ہے، حق تعالیٰ شانہٗ مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں اور وہ رواج پر سے محنتیں ہٹا کر اللہ کی مدد کے اصولوں پر لے آئیں تو یہ وعدہ ہے کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله۔ (کتنی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آجائیں۔ اور ان کے مقابل کو گھٹنے ٹیکنے پڑیں، چھوٹی جماعت سے جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس میں تین سو تیرہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی تین سو تیرہ تھے اور حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ بھی بدر میں تین سو تیرہ تھے۔ حنین میں تعداد اس سے بھی کم ہے۔ سو جو تھے وہ بارہ ہزار پر غالب ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بارہ ہزار اقلیت ہونے کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے۔ اور وجوہات سے بارہ کروڑ بھی مغلوب ہو سکتے ہیں۔ وہ وجوہات جن کی وجہ سے مغلوب ہوں گے وہ رواجی طریقے ہیں۔ ہمارا اصلی کام رواج سے نکل کر اسلاف کے طریقے پر قربانی دینا۔ ہم تو ہوں گے قربان اور دوسروں کی زندگی بنے گی۔ ہماری کامیابی ہو گی کہ ہماری قربانی اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پریشانیوں سے نکل کر جانے کا سبب بن گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام وحضرت ہاجرہ علیہا السلام وحضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی پر اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہو گیا، یہی ان کی کامیابی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کیا ہے اور ان کے ساتھیوں کی کامیابی کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ امت کے لیے قربانی دے کر اللہ سے مانگی تھی انہوں نے قربانی دے کر ایسی اُمت کا وجود کرا لیا جو اُمت وجود میں تھی ہی نہیں۔

پریشانیوں کے خاتمہ کی صورت کیا ہے؟ اور پریشانیوں کے وجود میں آنے کے اسباب کیا ہیں؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول زندگیوں سے نکل گئے، اس واسطے پریشان ہو رہے ہیں۔ نہ زندگی میں اصول نہ علاج میں اصول۔ جتنی محنت بڑھاتے ہیں اتنی ہی بے اصولیاں کرتے ہیں۔ جتنی ہی بے اصولیاں بڑھیں گی اتنی ہی پریشانیاں بڑھ رہی ہیں۔ آج محنت کرنے سے مسئلہ اور زیادہ اُلجھ رہا ہے جیسے شکار جال کے اندر جتنا پھڑ پھڑاتا ہے اور زیادہ پھنستا ہے۔ ہم کو پریشانی سے نکلنے کے لیے زیادہ آدمی نہیں تھوڑے آدمی درکار ہیں۔

قربانیوں کی کچھ سیڑھیاں ہیں۔ ایک آدھ مسئلہ میں قربانی دینا یہ قربانی کا مفہوم نہیں ہے اصل یہ ہے کہ تمام مسئلوں میں قربانی کی تمام سیڑھیوں سے گذر جانا اور اس کی چھت پر پہونچ جانا، اگر سو یا تین سو تیرہ بھی پہونچ جائیں گے تو تمام اُمت کی پریشانی دور ہو جائے گی۔ وہ آدمی جو ہر سیڑھی کو پار کر جائیں درکار ہیں۔ ہمارے کام کرنے والے یوں سوچتے ہیں کہ وہ تین چلّے دے دیں حالانکہ تین چلّہ تو قربانی کی پہلی سیڑھی ہے۔ قربانی میں ترقی کیسے ہو گی۔ جن آدمیوں نے قربانی پر قدم اٹھایا ہے ان کا ہر اگلا قدم ان کو مزید قربانی پر ڈال دے۔

جتنی قسم کی پریشانیاں اور مشکلات سامنے آتی ہیں۔ اتنے قسم کے اعتبار سے انتظامات سامنے آتے ہیں۔ قربانی کے بعد قربانی کا مطالبہ اور قربانی کے بعد جو مشکل آئی۔ اس کا حل یہ کہ مزید قربانی دے، یہ ساری دنیا کے مصائب وحوادثات اور پریشانیوں کا حل ہے۔ ہر کام کرنے والا یہ سوچے کہ مجھ کو قربانی کی چوٹی پر پہنچنا ہے۔ وہ اُمتِ مسلمہ جن کی پریشانیوں کے تصوّر سے آپؐ روئے ہیں۔ آج وہ ہمارے سامنے پریشان ہے اور ہمارا قربان ہو جانا اس امت کی ساری پریشانیوں کا علاج ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے ایک چور لایا گیا، آپؐ نے فرمایا اس کے ہاتھ کاٹ دو، اور آپؐ کا چہرہ زرد ہو گیا جیسے خون ہی نہیں ہے، اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، آپ پریشان ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں میرے اوپر یہ کیوں شاق نہ گذرے کہ تم سب کے درمیان میں میرے ایک اُمتی کا ہاتھ کاٹا جا رہا ہے۔ عرض کیا پھر آپ حکم نہ دیتے۔ فرمایا وہ بدترین حاکم ہے جس کے سامنے خدا کی حد پہونچے اور وہ اس کو پورا نہ کریں۔ تم نے اپنے بھائی کی مدد نہ کی۔ اسے میرے پاس کیوں لائے۔ تم نے خود ہی ان کو کیوں نہ سمجھا لیا۔ تم نے شیطان کا ساتھ دیا۔ جس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اُمت کے چور کے متعلق یہ خیال ہو تو پوری اُمت کے بارے میں کتنا خیال ہو گا۔ جب چور تک پر یہ رحم ہے تو ان کے دل کے اندر ان کی امت ہر حالت میں گھر کیے ہوئے ہے۔ وہ اپنی اُمت کے ہر آدمی کا بھلا چاہتے ہیں، فسّاق کا بھی بھلا چاہتے ہیں۔ زندگی پوری قربانیوں میں گزار دی۔ گویا ان کی زندگی کے سارے مسئلے قربان ہوئے ہیں۔ اپنے متعلقین کے مسئلوں کو قیامت تک کے لیے قربان کر دیا۔ جو ہم سے محبت کرے وہ بلاؤں کے لیے تیار ہو جائے۔ جس طرح کوئی چیز پہاڑ پر سے پھینکی جائے، اس طرح ہر محبت کرنے والے پر بلائیں آتی ہیں۔ مسلمانوں میں مستقل آمد کی صورت زکوٰۃ ہے۔ اور آج حکومتیں تک اس لالچ میں ہیں کہ زکوٰۃ کو لے کر خرچ کریں لیکن آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لیے اپنے گھر والوں کو اس سے محروم فرما گئے۔

حضرت حارث رضؓ اور حضرت عباس رضؓ دونوں کے بچے جوان ہیں اور شادی کے لیے مال کی ضرورت ہے، دونوں کے باپوں نے اپنے بیٹوں کو زکوٰۃ کے شعبے میں کام کرنے کو بھیج دیا کہ ان کو بھی کام کرنے سے کچھ مل جائے گا۔ بات کان میں پڑتے ہی آپؐ نے چھت پر نگاہ ڈالی، اور

چُپ چاپ بہت دیر تک سوچتے رہے۔ یوں سوچ رہے ہوں گے کہ یہ اُمت سیّدوں کو توکیا دے گی، ایک زکوٰۃ تھی وہ بھی بند کرکے جا رہا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے اتنی خاموشی اختیار کی کہ ہم سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب ہی نہ دیں گے۔ وہ جانے لگے تو حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو روکا اور خمس میں سے ان کو کچھ دے دیا، اور وہیں ان کے نکاح کرا دیئے۔ ان کی بدولت لوگوں نے مزے کی زندگیاں گذاری ہیں، لیکن خود ان کو کچھ نہیں ملا۔ داماد کو کہہ گئے کہ اپنا گلا کٹوا دینا لیکن تیری وجہ سے کسی کا گلا نہ کٹے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فاقہ پڑ رہا ہے، پیاس سے بُرا حال ہے۔ لوگوں نے کہا مقابلہ کرکے دشمنوں کو ختم کر دیں۔ آپؓ نے فرمایا میری وجہ سے کسی کا گلا نہ کٹے۔ بیوی کو پانی کے لیے بھیجا خود روزہ کی نیت کر لی۔ حضرت عثمان رضؓ کو خواب میں زیارت ہوئی، عرض کیا کہ حضورؐ آپ کی اُمت نے پریشان کیا ہے، میں نے بہت تکلیف اُٹھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بس اب ہمارے پاس آجاؤ۔ ایک رات کو خواب دیکھا، اگلی رات کو شہادت ہو گئی۔ آپ کو معلوم ہے میری اُمت امیروں کے ساتھ کیا کرے گی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برابر اُمت کے لیے قربانیاں کرتے رہے۔

عرفات میں دعا مانگی، پہلے نبی آتے رہتے تھے، شیطان سے مقابلہ ہوتا رہتا تھا اب نبی نہیں آئے گا۔ شیطان کے پنجہ میں پھنس نہ جائے، میری ساری اُمت کی مغفرت کر دے۔ دعا قبول کر لی۔ ساری اُمت کی مغفرت کر دی سوائے ظالم کے۔ آپ پھر دعا کرتے رہے کہ ظالم کی بھی مغفرت کر دے، مزدلفہ کی رات وہ دعا بھی قبول ہو گئی۔

دو مسئلے ہیں۔ ایک میرا گھر، ایک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت، اگر ساری اُمت کا مسئلہ گھر کے برابر بھی نہیں تو یہ دین کا کام کیا کرے گا۔ اپنے گھر والوں کی بھوک کی وجہ سے مارا مارا پھر رہا ہے اور اُمت کی کوئی فکر نہیں۔ ایک تو ہے قربانی دینا اور ایک ہے قربانی کو مکمل کرنا، اور اپنی زندگی کو تکلیف میں ڈال دینا، جب دین کی محنت کرو گے تو ایک تو کام کے تقاضے ہوں گے اور ایک گھر کے تقاضے ہوں گے۔ قربانی یہ ہے کہ محنت کرتے رہیں۔ اپنے جتنے تقاضے آتے رہیں اور اس کے لیے جتنی شکلیں صورتیں سامنے آتی رہیں ان کے اوپر

تھوک کر دین کے لیے قربانی دیتے چلے جائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اٹھا کر دیکھو، انسان کے اپنے جتنی قسم کے مسئلے ہوتے ہیں اور ان کے اعتبار سے انسان جو کچھ کرنا چاہتا ہے، اس سب کو چھوڑ کر وہ کر رہے ہیں جو خدا تعالیٰ چاہتے ہیں۔ سوسائٹی اور مقام قربان ہوئے۔ شام کو چھوڑا، قوم کو چھوڑا، بچّے کا اور بچے کی شادی کا مسئلہ بھی قربان ہوا۔

کامیابی کی صورت کیا ہے؟ یہ کہ تم اُمت کی تمام پریشانیوں کا حل اس کام میں سمجھو۔ افتراق پیدا ہوگا قربانی کی کمی سے، اجتماع ٹوٹے گا قربانی کی کمی سے۔ ہر وقت جو ضرورتیں آئیں گی اگر وہ پوری نہ ہو سکیں تو اس کی وجہ نکلے گی قربانی کی کمی۔ چوٹی پر وہ پہونچے گا جو یہ سوچ کر قربانی کرے گا کہ میرا موضوع ہے کہ میں قربانی کی اس شرط کو پورا کر دوں جو اس امت کو مسائل سے نکالنے کے لیے ضروری ہے، اسی پر پورا معاشرہ بدل جائے گا۔

مال والے، حکومتیں، تاجر، امیر یا اکثریت کبھی بھی سبب نہیں بنیں گے۔ اُمت کی پریشانیوں کے خاتمہ کا سبب وہ بنے گا جس نے اپنے عہدے، اپنی عزت، اپنے اعزا و اقارب، اپنے دوست احباب، اپنا مال، اپنی جان قربان کرنا آ جائے گا۔ یہ سبب بنے گا مال والوں حکومت والوں کی پریشانیوں کے دُور ہونے کا۔

قربانی کی بنیاد محنت کے راستے ہیں۔ دوسروں کے مصیبتوں سے نکلنے کے لیے اپنے کو مصیبتوں میں ڈالنے کی بنیاد پر ایک کام ہے، اس کی بنیاد قربانی پر ہے۔ مال و جاہ راحت عیش جتنے مسئلے گھر والوں کے ہیں وہ یہاں قربان ہیں۔ صحابہ رضؓ کے اندر بڑے درجہ والے جو ہیں وہ اپنی ہر شئی کے اعتبار سے خوب قربانی والے ہیں۔ یہ نبیوں کے شعبوں کے انسان ہیں جن کی تکلیفیں اٹھانے کی وجہ سے اب تک ہم چل رہے ہیں۔ ہمارا وجود ان کی قربانیوں پر ہے لیکن حق تعالیٰ شانہٗ قربانیوں کا تسلسل چاہتے ہیں۔ تاکہ اُمت کی مشکلات دور کرتے جائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام ان سب کی قربانیوں کی طرح قربانی دینے والے ہیں۔ حضرات صحابہ کرام رضؓ امت کا وجود تو ہے اور قیامت تک چلے گا لیکن اس اُمت کو مصیبتوں سے نکالنے کے لیے اللہ پاک نے قربانی کو شرط

قرار دیا ہے۔

حکومت میں جو احکام ہیں۔ اگر اللہ توفیق دیں اور وہ ان احکام کو پورا کر دیں، قربانیاں دے کر تو ان حکومت والوں کی پریشانیاں دور ہو جائیں گی، حکومت اور طاقت سے نہیں بلکہ قربانی سے دُور ہوں گی، قربانی کا ایک ذرہ بھی ہوگا تو اتنا زیادہ ملے گا کہ آپ حیران رہ جائیں گے کہ خدا نے کیا دے دیا۔ لیکن مسائل ذرہ بھر قربانی سے حل نہیں ہوں گے۔ اس کے لیے پوری قربانی دینی ہوگی۔ باطل تو چلتا ہے خواہشات کے پورا کرنے کے ساتھ۔ اور حق چلتا ہے خواہشات کی قربانی کے ساتھ۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ .... بِالْعِبَادِ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ .... تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ .... انسانوں میں عورتوں کی مالیات کی ساز و سامان کی شہوات ہیں۔ باطل زندگی تو اس سے چلے گی کہ عورتوں کے حاصل کرنے میں خوب محنت کریں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنت کی عورتوں کو چاہے جتنا کپڑا پہنا دو، ان کا حسن نہیں چھپے گا، ان سے تو یہ نہیں ہو سکا۔ کپڑے پہننے والیاں ننگیاں بنا دیں باطل تو اس سے چلے گا کہ ایک منٹ کے لیے بھی اس کو ملال نہ پہونچے۔ باطل تو عورتوں میں لگائے گا ان کی لذات میں لگائے گا۔ باطل تو مال سے عورتوں سے، دوکانوں سے، جائیدادوں سے بڑھے گا۔ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ ہیں۔

اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ۔ (ترجمہ) کیا میں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں وہ یہ کہ دنیا کے عیش کو اور شہوتوں کے پورا ہونے کو تم آخرت پر ڈال دو۔ اور یہاں تھوڑے سے محنتی و متقی بن جاؤ جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ساری خواہشات چھوڑ دیں۔ عام لوگ حضرت عمر رضؓ کے زمانے کو فتوحات اور مال کے لیے یاد کرتے ہیں جب قانون بنتا ہے تو اس کے عیش پر نگاہ جاتی ہے اور ٹیکس لگتا ہے تو حضرت عمر رضؓ یاد آتے ہیں۔ لیکن وہ اور دوسروں کی شہوتوں کو پورا نہیں کرتے تھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے ساتھ ایک بات چاہنا اور پوری کرنا تو ہے تقویٰ۔ اور ان

احکامات کے خلاف اور بات چاہنا فسق ہے۔ حضرت عمر رضؓ کے دَور میں کیا ہے؟ خود متقی بنے اور جس ہاتھ میں لگام دی اُسے بھی متقی بنا دیا۔ گورنروں کی پٹائیاں ہو رہی ہیں۔ متقی بننے کے پانچ جزو ہیں۔

(۱) صابرین یعنی خواہشات پر صبر کرنے والا۔

(۲) صادقین یعنی پہلوں کے نقشے پر پورے اترنے والے اور ہر وقت کی تکمیل کرنے والا بن جانا اور اس کے مقابل کی خواہشوں کو قربان کرنا۔

(۳) قانتین یعنی جان دینے کے احکام کو بجالانا۔

(۴) منفقین یعنی مال دینے کے احکام پر پورے اُترنے والا۔

(۵) مستغفرین یعنی گناہ نہ کرنا اور اپنے کو گناہ گار قرار دے کر معافی مانگنا۔

یہ ہی متقی ہیں۔

اس کام کو پھیلاؤ ہے۔ ایک اس کا گہراؤ ہے، جنہوں نے اپنے کو اس کام میں لگایا ہے۔ ان کا قربانیوں کے نقشے پر پورا اترنا، جڑوں کے ساتھ پھلوں تک کا رابطہ موجود ہو۔ قربانیاں رنگ لائیں گی۔ ایک کام ہے۔ اور ایک کام کرنے والوں کی قربانیاں ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ کام سے اسلام زندہ ہو جائے گا، خواہش کو پورا کرنے والا بنا تو قربانی کہاں ہوئی۔ قربانی نہ ہوئی تو دین کہاں ہے، اور دین نہیں تو مصائب کیسے دور ہوں گے۔ راحتوں میں قرب نہیں ہے، تکلیفوں میں قرب ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا۔

ایک قربانی دینا ہے اور ایک قربانی دیتے رہنا۔ قربانی دینے پر داخل جنت ہوگا۔ اور قربانی دیتے رہنے پر اصل فیصلے ہوں گے۔ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا کے طرز پر قربانی کرنا۔ میں لاکھوں کروڑوں کو نہیں کہتا ان کے بارے میں تو فیصلے کرانے ہیں۔ فیصلے کرنے کے لیے چند سینکڑوں کی ضرورت ہے، ہماری موت قربانی پر آئے، خواہش پر نہ آئے، قربانی ہی سے بنگلہ کی نوعیت صحیح پیدا ہوگی، قربانی پیدا ہوگی تو اکرام ہوگا۔ جہاں جانا چاہیں وہاں پہنچیں گے، چاہے گھر والوں کو جتنی تکلیفیں پہنچیں، ہم پورا وقت دیں گے جتنی ضرورت ہو، قربانیوں کے بغیر یہ رنگ نہیں لائے گا، کام صورت ہے اور اس کی سیرت اس کی طاقت

غیبیہ، اس کام کے ذیل میں قربانی دینا ہے۔ تعلیم کے وقت میں تعلیم کرنی ہے، تسبیح کے وقت تسبیح، گشت کے وقت میں گشت کرنا ہے چاہے کچھ ہو جائے، جب تم اس کام کے کرنے کے بعد اس کام کے قبولیت کے شرائط کو پورا کروگے تو فیصلے ہوں گے۔

جن کی کھجوروں پر سارے عرب کی مہمانی ہوئی، جن کی زمینوں پر سارے مہاجر آکر ٹھہرے، جن کے گھروں میں سارے عرب آکر ٹھہرے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیویاں رہیں، ان سے یوں کہہ دیا کہ تم کو ملے گا حوض کوثر پہ۔

غرور میں آجانا کہ ہم میں طاقت ہے، ہم یہ کریں گے، موت کا آجانا ہے، حنین کے واقعہ میں تربیت ہے، حنین میں قبیلہ ہوازن کے ساتھ ٹکر ہوتے ہی سب بھاگے، صرف بارہ رہ گئے، ان میں اکابر صحابہ رضہ ہیں۔ اب حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اونچی آواز سے یا معشر الانصار یا معشر الانصار کہو۔ انصار دوڑے اور سَو آئے۔ بارہ سو کو بھگا دیا، سَو کے ذریعے سے یہ بتلایا کہ کرنے والا میں ہوں، مال بہت سا آیا، تقسیم میں سارا مکہ والوں کو دے دیا۔ انصار کو کچھ نہیں ملا، اس وقت انصار پر کیا گذری ہوگی کہ کام تو کریں ہم اور مال دیا جائے دوسروں کو۔

حضرت سعد بن عبادہ رضہ آئے اور کہا کہ میری قوم کیا کہہ رہی ہے کہ جب لڑائی کا وقت آئے تو اے انصار! اے انصار! اور جب تقسیم کا وقت آئے تو آ میری قوم آ میری قوم۔ فرمایا تم کیا کہتے ہو، کہا میں بھی قوم کا ایک فرد ہوں، فرمایا قوم کو جمع کرو۔ چنانچہ قوم کو جمع کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انصار! کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ یہ لوگ اپنے گھروں کو مال لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں کو اللہ کے رسول کو لے کر جاؤ۔ آپؐ بھی بہت روئے اور صحابہ رضہ کو بھی خوب رلایا، آپؐ پر کیا گذرتی تھی آپ بہت دیر تک روتے رہے، اے انصار! لوگ میرے اوپر کا لباس ہیں اور تم میرے اندر کا لباس ہو، اندر کا لباس حفاظت کا ہوتا ہے، امت کی حفاظت تم سے ہے اور میرا زیادہ قرب تمہارے ساتھ ہے، اگر انصار ایک وادی میں چلیں گے اور لوگ دوسری وادی میں چلیں گے تو میں انصار والی وادی میں چلوں گا۔

آپؐ کے سامنے تھا کہ میرے انصار کے اوپر میرے بعد کیا گزرے گی، احسان کا احساس اور اس کا بدلہ جتنا آپ دے گئے اتنا مخلوق میں کوئی دے نہیں سکتا۔ اے اللہ انصار کی مغفرت

فرما، ان کے بیٹوں، پوتوں اور غلاموں کی مغفرت فرما۔

غرض خوب کام کرنا اور آخرت میں لینا یہ ان کا مزاج بنا دیا تھا۔ فرمایا کہ میرے بعد مال میں دوسروں کو تمہارے اوپر ترجیح دی جائے گی۔ بنی قریظہ وغیرہ کے مال کی تقسیم آئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ زمین دوسروں کو دے دو۔ تم نے جو دیا ہے وہ واپس لے لیں یا سب میں برابر تقسیم کرلیں، نہ یہ لیتے ہیں نہ واپس لیتے ہیں۔ ہمارا آپ کا معاملہ جنّت پر ہے ہم جو کچھ اللہ کے نام پر دے چکے وہ دے چکے، واپس نہیں لے سکتے، اب جو آیا ہے اسے مہاجرین کو دلا دیجیے۔ انصار کو اپنے باغوں کے لیے ضرورت تھی نہر نکالنے کے لیے۔ حضرتؐ کے پاس مشورہ کرکے آئے، واہ واہ انصار آؤ جی آؤ جی جو مانگوگے میں اللہ سے کہوں گا اور جو اللہ سے کہونگا وہ دیدیں گے۔ پھر انہوں نے مشورہ کیا اور کہا ہمیں تو آخرت میں چاہیئے، مغفرت کی دعا فرما دیجیے۔ جو مسلمانوں کے انتہائی عروج کا وقت تھا۔ اس وقت انصار کے گھروں میں فاقے پڑ رہے ہیں۔ لوگ دوسروں کی قربانی کرنے کو قربانی کہتے ہیں۔ اور وہ قربانی اپنی ذات پر ہے۔ ایمان اور ایمان کے طریقوں کو قائم کرکے دکھلا دو۔ اپنے مسائل کی قربانی کے ساتھ۔ قربانی کی لمبی چوڑی کتاب ہے۔ ہر موقع پر جو کام کرنا چاہیئے وہ کام کرنا اور اپنے مسائل کو قربان کرنا۔ قربانی کی ایک آدھ شق نہیں ہے، اس کام کے بڑے اصول ہیں، بڑی نزاکتیں ہیں۔ اگر دوسرے شعبوں کو یوں کہہ دیں کہ ان کی ضرورت نہیں تو یہ بات عداوتوں کا سبب بنے گی۔ اور اگر یوں کہہ دیں کہ یہ سب ضروری ہیں، اللہ سب کو چلا دیں۔ اور جن قربانیوں پر یہ چلتے ہیں ان قربانیوں کی ہمیں توفیق دیں تو یہ بات محنتوں کا سبب بنے گی۔ زبان کی ذرا سی بدعنوانی بڑے بگاڑ کا سبب بن سکتی ہے۔ اپنی اپنی جگہ کی تھوڑی دینداری پر دھوکے مت کھاؤ۔ لادینی اور الحاد کے طوفان ان جگہوں سے اٹھ رہے ہیں جہاں سے توحید و عرفان کے سمندر چلا کرتے تھے۔ آج شیطان کی معاشرت چل رہی ہے، جہاں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت چلی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے شیطان کو دیکھا ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا یہ میرا خلیفہ ہے، اسے نوازتا ہوں، اسے سجدہ کرو، اس نے اعزاز والا نہیں سمجھا، شیطان کے دھتکارے جانے کی

وجہ انسان ہے، نوازے ہوئے کے ساتھ مل جائے تو چلو اس کا قصور معاف کر دیں نہیں فرمایا جو تیرے ساتھ مل جائے گا تو تیری طرح دھتکارا ہوا ہو جائے گا۔ یہ آپ کی حیات کا جان کا مال کا دشمن ہے۔ پہلے ان سیڑھیوں پر لانا ہے کہ آپ کی آخرت بگڑ جائے پھر دنیا بگڑ جائے۔ یہ آپ کی حیات نہیں چاہتا۔ آپ کے گھروں کے اندر آگیں لگوانا چاہتا ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس گھنٹے کی معاشرت میں شیطان سے بچنے کے طریقے بتلائے ہیں۔ پاخانے میں جاؤ یہ بدفعلیاں کرتا ہے، جنگل میں جاؤ تو یہ لوگوں کو بے پردگی کے لیے لاتا ہے، اس کے لیے فرمایا کہ پردہ کی جگہ جاؤ، ورنہ ریت کی منڈیر بنا لو اور یہ دعا پڑھ لو۔ سویا کرو تو آگ اور روشنی کو بجھا کر سویا کرو، تاکہ شیطان جانوروں کو تمہارے گھروں کے اندر آگ لگانے کا ذریعہ نہ بنائے۔ دکھانے پر ایک آدمی اور ایک لڑکی کے آنے کا واقعہ، فرمایا خدا کی قسم ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ میں نے شیطان کو بھی پکڑا ہے۔ کئی صحابہ رضؓ کا واقعہ رات کو شیطان کو پکڑ لیا، چوری کر رہا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والے واقعہ میں صدقہ کی کھجوریں ہیں۔ اور ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ذاتی کھجوریں ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ والے قصہ میں ہے کہ آپؐ نے صبح کو دریافت کیا کہ رات کو تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ کہا حضورؐ عہد کر گیا ہے، اب نہیں آئے گا۔ فرمایا جھوٹ بولتا ہے، اب کے پھر آئے گا۔ پھر پکڑا، کہنے لگا، آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو شیطان نہیں آئے گا۔ فرمایا، ہے تو جھوٹا، لیکن بات سچی کہہ گیا ہے۔ کھانے میں شریک ہوتا ہے کہ شیطنت کا مادہ پیدا ہو جائے اور کھانا تھوڑا ہو جائے، گھر کے کیواڑ بسم اللہ کہہ کر لگایا کرو، تو شیطان تمہارے گھر میں داخل نہیں ہوگا۔

ایک قسم انسانوں کی ایسی ہے جو شیطان اور انسان کے مشترک نطفہ سے تیار ہوتی ہے صورتاً انسان اور خصلتاً شیطان۔ شیطان کی ایک معاشرت ہے۔ اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مقابلہ میں اپنی معاشرت کو کھڑا کیا ہے، شیطان کی معاشرت کی بنیاد عورت اور مال کے نقشے ہیں، عورت عطر وہ لگائے جس کی خوشبو نہ ہو، رنگ ملا ہو۔ جو عورت اپنے گھر کے علاوہ سج کر نکلے، وہ عورت زانیہ کے حکم میں ہے۔

صاحب کیا کریں بیوی نہیں مانتی، نکاح ایسے ہو، مکان ایسا ہو، بیوی اوپر بیٹھی ہوئی ہیں، وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے مسئلہ پر عورتوں کو غالب کر دے، ہر ملکوں میں مختلف جگہوں میں عورتوں کو بٹھانا یہ خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنا ہے، شیطان چاہتا ہے کہ عورت جس کے ذریعے جنت سے نکالا ہے، آگے بھی عورت ہی کو استعمال کرے کہ ایک عورت سے ہزاروں کو دوزخ میں پہنچا دیں۔ فرمایا جو دو مرد و عورت ایک جگہ اکٹھے ہوں تو تیسرا شیطان وہاں ہوگا۔ بھائیوں بھائیوں، خاندانوں، قوموں کی لڑائی لاتا ہے، عورت اور مال کے راستے سے لباس میں مقابلہ، غذا میں مقابلہ، عورتوں کے ذریعے سے یہ معاشرت کی جو بے دینی ہے آپ کی نماز روزہ تعلیم کو ختم کر دے گی، شیطان ایسے معاشرہ کو اٹھاتا ہے کہ سارا مال اپنے آپ پر لگے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مقابلہ میں ایک معاشرت لائے ہیں۔ معاشرت کی بے دینی جس جگہ پر آئے گی، باقی سارے دین کو لے کر ڈوب جائیگی اب مسئلے یہ ہیں کہ قربانی دو تب معاشرہ بدلے گا۔ حج میں ترکِ وطن ہے، زکوٰۃ میں مال کا خرچ کرنا ہے، صوم میں شہوات کو دبانا ہے، نماز میں خواہشات اور تفکرات کو روکنا ہے، ان کی بنیاد کا معاشرہ اٹھے گا، عناصر اربعہ سے کمائی کا نقشہ تیار کرو، یعنی ایمان اخلاق، علم، دھیان کمائی کے نقشے اگر عناصر اربعہ پر نہیں آئے تو ہماری نماز کمزور ہے ہمارا روزہ کمزور ہے، ہماری زکوٰۃ کمزور ہے۔ کتّے اور سُوروں کی سی معاشرت کی طرز پر چلے جا رہے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے خیر خواہ کی معاشرت محبوب نہ ہو اور شیطان کی معاشرت محبوب ہو، جب تک معاشرہ کا مقابلہ کرتا رہا مسلمان پھل پھولتا رہا اور جب مقابلہ ختم ہو گیا تو مسلمان بھی ختم ہو گیا، دشمن اصل کون ہے؟ جس کا موحد بننا ممکن نہیں۔ کافر اصلی دشمن نہیں، ان کا ہر وقت امکان ہے کہ کلمہ پڑھ لیں اور موحد ہو جائیں، یہ تو دشمن کے ساتھی ہیں، اس واسطے دشمن ہو گئے۔ سانپ اتنا دشمن نہیں جتنا شیطان دشمن ہے، ابھی دشمن کا یقین نہیں، معاشرت کی طرف وہ لیے چلا جا رہا ہے۔ پڑھ لو نماز بہتیری دیکھی نماز، معاشرت کا ایک دھکا آئے گا تو سب نماز ختم ہو جائے گی۔ پہلے جو طوفان آیا، بہت کچھ ختم ہو گیا، اس سے اگلا طوفان آئے گا، باقی رہا سہا بھی ختم ہو جائے گا۔ شیطان کی

معاشرت میں غیبتیں بہتان ہیں، عیبوں کو اُچھالنا، ٹھٹھا اُڑانا ہے، پھر کدورتوں کے اوپر ڈالنا ہے، آخرت میں تو نقصان ہے ہی، دنیا میں بھی نقصانات ہیں۔ معاشرت کے اعتبار سے آج کا دَور بدترین دَور ہے۔ کتّوں، سُوّروں کی طرف معاشرت جارہی ہے اور یہ نہیں جانتے کہ چلکے کے اندر زہر دیا جارہا ہے، جو محبوب ہیں۔ خدا کی قسم ان کی معاشرت محبوب ہے۔ اور جو مبغوض ہیں، ان کی معاشرت مبغوض ہے۔ آپس کی عداوتیں، آپس کی کدورتیں بہت سے راستوں سے آرہی ہیں۔ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس کی محبتیں مودّتیں بہت سے راستوں سے چلائی تھیں۔ حیات والی معاشرت تو ختم ہوگئی، موت والی معاشرت میں ہم آگئے۔ پھرنے میں بھی قربانی ہوگی، پھرنے میں کس طرح پھرو۔ دوسروں کی رعایت کے ساتھ، افہام وتفہیم کے ساتھ پھرو، اس کے اندر حق تعالیٰ شانہٗ ایسا کریں اور نعمتوں کے دروازے کھول دیں، کوئی آکر پانچ لاکھ روپے دے، اُسے لگا دو پھر قربانی دو کہ جی آپ آکر لگانا سیکھ لیجیے، پھر خود چلا یئے۔

قربانی دیتے ہوئے ملک ومال پر ٹھوکر مارتے ہوئے ایمان کی دعوت کے لیے محنت کرتے ہوئے اپنے جذبات کو قربان کرتے ہوئے ہر وقت نکلو جس طرح اپنے جذبات کو قربان کرنا پڑے گا۔ دوسروں کی خرابی میں وجہ نکال لو، اسلام کی اور اپنی خوبی میں وجہ نکال لو، اپنے کچھ نہ ہونگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہہ رہے کہ خالد رضؓ کو مار دو۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نہیں اس نے مسلمان سمجھ کر قتل نہیں کیا ہے مسلمان قرار نہ دینے میں ان کا فیصلہ غلط ہے اس کی بیوی سے نکاح کیا رجم کردو۔ اس نے غیر مسلم کی بیوی قرار دے کر نکاح کیا، فیصلہ میں غلطی کی تو یہ دوسری بات ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں خرابی آجائے۔ تو سب چھوڑ دیتے ہیں۔ اپنے بچّے کو پاخانہ کی وجہ سے نہیں چھوڑتے۔ اخلاص اور اکرام مسلم کا مفہوم اگر اپنا وجود گرامی پر کیا تو خوب جوتا چلے گا۔ جو اپنے کو نیت کے اعتبار سے ٹٹولے گا، اپنی حیثیت کو اپنی نگاہ میں گرالے گا۔ جس کی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے ہیں۔

اے میرے رب تو مجھے اپنی بارگاہ میں پسند فرمالے، اے میرے رب تو اپنے لیے مجھ کو میری

نظروں میں ذلیل رکھ اور دوسروں کی نظروں میں عزت والا کردے۔ شیطان اسی میں تو مرا کہ میں نے اتنا کیا اور یہ کل کا بچّہ، اس کو مجھ سے سجدہ کرائیں۔

تصحیح نیت کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں کہ جب عمل کرو تو نیت صحیح ہو۔ بات یہ ہے کہ شروع میں نیت ٹھیک کی جائے اور آخر میں خود خراب قرار دی جائے۔ جو اپنی نگاہ میں حقیر ہوگا وہ کبھی شہرت نہیں چاہے گا، کرنے میں صحیح نیت کرکے کرنا اور کرنے کے بعد اپنے آپ کو گرا دینا کہ میں نے ٹھیک نہیں کیا۔ جب تم طالب اکرام کے بنوگے تو خدا تمہارا اکرام نہیں کرائیں گے، بلکہ دشمن بنالیں گے اور اگر اکرام کرائیں گے تو القائے شر کے اعتبار سے اکرام کرائیں گے اور اگر تم اکرام کے طالب نہیں بنوگے تو پھر وہ اکرام کرائیں گے۔

میں کچھ نہیں میں خراب ہوں۔ جو میں نے کیا وہ ایسا نہیں کیا جو میری کہیں پوچھ لیں، پوچھنے کے قابل نہیں ہوں۔ وہ اپنے کرم سے پوچھ لیں، میں اس کی خدمت کروں۔ تاکہ خدا اس کی وجہ سے غلطیوں کی وجہ سے، بے عنوانیوں کی وجہ سے مسلم کا اکرام کرنا مت چھوڑو دو نسبتیں ہیں، ایک تو اپنے ایمان کی نسبت ہے، اور ایک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کی نسبت ہے، ضرور جنت میں جائے گا خواہ وہ سزا کے بعد جائے، اور چاہے کرم کرکے شروع ہی میں پہنچا دیں۔ میں تو ان کا اُمتی ہونے کی وجہ سے اس کا اکرام نہیں کرتا تو کیا غصہ نہیں ہوں گے۔ نمازی ہونے کی وجہ سے بھی اکرام کرو۔ خوش اخلاق ہونے کی وجہ سے بھی اکرام کرو۔ اور کچھ نہیں تو مسلمان ہونے کی وجہ سے بھی اکرام کرو۔ اور اپنے کو نیت کے اعتبار سے گراؤ۔ اور دوسرے کو اُمتی ہونے کے اعتبار سے اکرام کرکے اٹھاؤ۔ اپنے کو اپنی نظر میں گرانا صحیح نیت ہے، دوسرے کی غلطی نظر انداز کرنا اکرام مسلم ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ گشت کیا کرتے تھے، ایک بوڑھا تھا اس کو اس کی باندی شراب پلا رہی تھی، حضرت عمر رضؓ کود کر اندر گئے۔ اس نے کہا میں نے ایک جرم کیا ہے اور آپ نے کئی جرم کیے ہیں۔ ایک یہ کہ حکم ہے کہ بے اجازت کسی کے گھر میں نہ جاؤ، آپ بغیر اجازت آئے، دوسرے یہ کہ سلام کرکے جاؤ، آپ بغیر سلام کے آئے ہیں تیسرے

یہ کہ دروازے سے آؤ، آپ دیوار پھاند کر آئے، چوتھے یہ کہ تجسّس مت کرو۔ آپ نے تجسّس کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روتے ہوئے چل دیئے۔ دربار میں کئی دن بعد نظر پڑے، تخلیہ میں بتایا کہ میں نے اُسی دن سے چھوڑ دی۔ زید بن ارقم رضؓ کیا پی رہے ہیں؟ یہی تو ہے تجسّس، میرے سے گناہ ہو گیا، اس کا کفارہ کیا ہے؟۔ اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس بات کے دیکھنے سے پہلے جو وقعت تمہارے دل کے اندر تھی، اس کی وہ وقعت باقی رہے۔ اکرامِ مسلم کی بات یہ ہے کہ اپنا تو کسی پر ایک ذرّہ کے برابر بھی استحقاق مت سمجھو، ایک دوسرے کے کام آنا تو یہود و نصاریٰ میں بھی مل جائے گا۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ نیکیاں کرتے ہیں نیکیاں لینے کے لیے۔ جس بات کی وجہ سے آدمی چاہتا ہے کہ میرا اکرام ہو۔ اس وجہ ہی کو ختم کر دو۔ یہ بھی قربانی ہوگی۔ سب کچھ لگا دیا۔ اور کچھ نہ طلب کیا۔ ایک ایک کی قربانی لاکھوں کی مصیبتوں کے خاتمہ کا سبب بنے گی۔ یہ چیزوں کا جادو ختم ہو جائے اور باطل ٹوٹ جائے، اس کے لیے قربانی کی ضرورت ہے۔ اس کے آگے کا مسئلہ یہ ہے کہ جو جتنی قربانی کا عادی ہو، اس سے آگے کی سطح پر آئے۔

غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں کے پیر اُکھڑے ہیں۔ صحابہ رضؓ نے کہا، اس میں مرنا ہے لیکن ہمیں یہ نہیں برداشت کرنا کہ جہاں ہمیں ہونا چاہیئے تھا، وہاں ہم نہیں۔

مُسَیلمہ کذّاب کا دُور چل رہا تھا، دو قسمیں ہیں، ایک توبہ والے، ایک محنت والے، آج کل تبلیغ والے توبہ میں زیادہ ہیں۔ یعنی وجوہات پر جو چلّہ دیں مُسیلمہ کذّاب سے مقابلہ میں دونوں جمع ہیں۔ توبہ والوں میں جماؤ ہی نہیں ہے، مر یہ نہیں سکتے ہیں، قربان یہ نہیں ہو سکتے ہُسَیلمہ کذّاب کے مقابلہ میں دونوں اکٹھے ہو گئے۔ اے ابوبکر رضؓ ہماری توبہ کیا ہے؟ فرمایا تمہاری توبہ یہ ہے کہ جس نبوّت کا تم نے اقرار کیا تھا، اس نبوّت سے جا کر تم مقابلہ کرو، وہاں مرنے کی وجہ سے توبہ تھی، یہاں موت دکھلائی دی، تو یہاں توبہ ہو گئی۔ جب لوگ میدان سے بھاگنے لگے تو ایک طبقہ پُورانوں کا کہنے لگا کہ ہم سے یہ بات دیکھی نہیں جاتی کہ جہاں ہم کو ہونا چاہیئے تھا وہاں ہم نہ ہوں، اور وہاں

ہوں، جہاں ہمیں ہونا نہ چاہیئے۔ زید بن الخطاب رضؓ اور سالم حذیفہ رضؓ نے اپنے آپ کو گھٹنوں سے اوپر تک زمین میں دبالیا، باقیوں نے سوچا کہ اس طرح مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ آواز لگائی یا معشر الانصار! ابوعقیل انصاری صحابی رضؓ زخمی پڑے ہوئے تھے کھسکتے ہوئے وہاں تک پہنچے، جہاں سے آواز لگائی گئی تھی۔ اور کہا انصار تم نے کام کر کے دکھلایا تھا جس طرح پہلے کر کے دکھلایا تھا، اب پھر کر کے دکھلاؤ۔

چالیس ہزار دشمن باغ میں محصور ہو گئے۔ ایک بُڑا نے حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اندر پھینک دو، میں دروازہ کھولوں گا۔ پندرہ کو قتل کیا، نوّے زخم کھائے اور کیواڑ کھول دیئے۔

ایسے سینکڑوں پوری دنیا کے نقشوں کے بدلنے کی گارنٹی اور ضمانت اپنے اندر لیے ہوئے ہیں۔ اس میں معاشرت بدلے گی۔ ایسے مکان اور ایسے ٹھکانے پھر نہیں رہیں گے سوائے مرنے کے اور سوائے قربان ہونے کے، سوائے اسلام اور دین کے نقشے قائم ہونے کے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت خالد رضؓ کے دل کی چاہ بس ایک تھی، شرک والے ذلیل ہو جائیں، اسلام اور اسلام والے چمک جائیں۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں اللہ کی راہ کی نقل و حرکت کی وجہ سے قرآن پاک پورا نہ پڑھ سکا، خدا کے راستے کی تکلیف کی رات میں جس کی صبح کو میں قتل کیا جاؤں وہ مزہ آتا ہے جو اس رات میں نہیں آتا جس میں ایک نئی دوشیزہ میرے نکاح میں آئی ہو، مرتے وقت حضرت خالد رضؓ دعا کر گئے، اے اللہ! ان بزدلوں کو رات کو نیند نہ آئے، اب قربانی والے جو دعا کر گئے تو پھر ہماری پریشانیاں کیسے دور ہوں۔ ہر آدمی کو اپنی سطح بلند کرنی ہے، قربانی پر اسلام چمکتا ہے۔ ایک قربانی دو نقل و حرکت کے اعتبار سے، ایک اصول اختیار کرنے کے اعتبار سے۔

(ماخوذ از ماہ نامہ "حُسنِ اخلاق"، دہلی۔ اگست ۱۹۹۴ء)

بیان نمبر ۴

دعوتِ ایمان و عمل

(حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ایک تقریر مضمون کے پیرایہ میں)

ضلع بستی کے ایک اجتماع سے واپس ہوتے ہوئے حضرت مولانا ممدوح ۲۹ مئی ۶۲ء کو لکھنؤ تشریف لائے اور اُس دن یہیں قیام فرمایا۔ صبح آٹھ بجے کے بعد یہاں کے تبلیغی مرکز میں آپ نے ایک عام اجتماع کو خطاب فرمایا۔ اس ناچیز نے مولانا کی اس تقریر کو سننے کے ساتھ ساتھ قلمبند کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اسی کو میں نے ناظرین "الفرقان" کے لیے مندرجہ ذیل مضمون کی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔ اب یہ جس شکل میں ناظرین کے سامنے ہے بعینہٖ اور بلفظہٖ حضرت ممدوح کی تقریر تو نہیں ہے، لیکن یہ وہ ضرور ہے جو میں نے سمجھ کر ادا کرنے کی کوشش کی ہے، جہاں تک مجھ سے بن پڑا، میں نے حضرت مولانا کے انداز کو بھی نباہنے کی کوشش کی ہے۔ بہرحال اب جس صورت میں اس کو اشاعت کے لیے میں دے رہا ہوں، اس کا ذمہ دار میں ہوں۔

(خاکسار محمد نقی فاروقی)

—خطبۂ مسنونہ کے بعد—

دینی بھائیو اور دوستو!

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اس دنیا میں جو کوئی جس مقصد کے لیے بھی اس کے طریقے پر محنت کرے گا، اُسے وہ مقصد کسی نہ کسی درجہ میں ضرور حاصل ہوگا۔ اب جو شخص دنیا کی کسی چیز کو مقصد بنا کر دنیوی طریقے پر اس کے لیے محنت کرے، اللہ تعالیٰ جس حد تک چاہتے ہیں اس کو وہ چیز عطا فرما دیتے ہیں، اور جو شخص آخرت کو موضوع و مقصد بنا کر اُس کے لیے صحیح محنت کرے، اُس کو اللہ تعالیٰ آخرت کی نعمتیں بھرپور عنایت فرمائیں گے

آخرت کی محنت کے دو درجے ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی پوری زندگی تو اس طرح نہ گذارے جس طرح آخرت کے طالب کو گذارنی چاہیئے اور اپنے آپ کو دین کا پورا پورا تابع تو نہ بنائے مگر کچھ کام اللہ کی رضا والے کرے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی کارخانے میں تھوڑا سا حصہ ڈال کر شریک ہو جائے، یہ آدمی کارخانہ میں حصہ دار تو ضرور ہو جاتا ہے لیکن اسے اپنے حصے کا نفع بھی جب ہی ملے گا، جب کارخانہ کا حساب ہو اور منافع کی تقسیم کا وقت آئے، درمیان میں اگر اسے ضرورت ہو تب بھی نہیں مل سکتا۔ حتیٰ کہ اگر اپنی کسی ضرورت کے لیے اپنا سرمایہ ہی اس میں سے نکالنا چاہے تو اس کا نکلوانا بھی اس کے اختیار میں نہیں ہے۔

اسی طرح جو شخص آخرت کے کچھ اعمال کرتا ہے وہ آخرت کی نعمتوں میں حصہ دار تو ضرور بن گیا، لیکن اس حساب میں اس کو اسی وقت کچھ ملے گا جب آخرت میں پوری زندگی کا حساب کتاب ہوگا۔ اور جو شخص اپنی پوری زندگی دین کے ماتحت کر دے اور اپنے ہر کام میں اللہ کی رضا اور آخرت کو سامنے رکھے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے ذاتی سرمایہ سے اپنا کارخانہ قائم کرے، وہ جب چاہے کارخانہ کے منافع میں سے اور اصل سرمایہ میں سے بھی نکال سکتا ہے۔

مومن کامل کا حال یہی ہے، وہ اپنے ایمان اور عمل کا پھل آخرت سے پہلے دنیا میں بھی پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اس دنیا میں بھی "حیاتِ طیبہ" عطا کرتا ہے، وہ دعا کر کے بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے مسائل حل کرا لیتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اصل دعوت اسی درجے کے لیے ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً۔

(اے ایمان والو! پورے پورے اسلام میں آجاؤ اور اپنی پوری زندگی کو خدا کی فرماں برداری میں دے دو)۔

جو لوگ ایسا کریں گے اُن کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب سے ان کے مسائل حل کرے گا۔ (وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ

(لَا يَحْتَسِبُ)۔

زندگی کے مسائل کے لیے محنت کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کائنات کی جن چیزوں سے مسائل حل ہوتے نظر آئیں براہِ راست ان چیزوں پر ہی محنت کی جائے جیسے غلہ حاصل کرنے کے لیے زمین پر (یعنی زراعت پر) محنت کی جائے۔ دولت حاصل کرنے کے لیے دُوکانوں پر (یعنی تجارت پر) محنت کی جائے۔ یعنی جو چیز اس دنیا میں جہاں سے حاصل ہوتی ہوئی نظر آئے، اُس کے حاصل کرنے کے لیے بس اُسی شئے پر محنت کی جائے۔ یہ طریقہ عام انسانوں کا بلکہ حیوانوں کا بھی ہے۔ دنیا کے سارے حیوانات کا یہی حال ہے کہ ان کو جو چیز جہاں سے نکلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اُس کو وہیں سے حاصل کرنے کی وہ کوشش کرتے ہیں، اس کے آگے پیچھے وہ کچھ نہیں جانتے۔

دوسرا طریقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا ہے، وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ سب کچھ اللہ کے قبضہ واختیار میں ہے اور اُس کے زیرِ حکم ہے۔ غلہ جو زمین سے نکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے وہ اللہ کے حکم سے نکلتا ہے۔ (أَأَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزَّارِعُوْنَ)۔

صحت وشفاء جو بظاہر دوا سے حاصل ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ دراصل اللہ کے حکم سے حاصل ہوتی ہے۔ (وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ)۔

اسی طرح نفع جو بظاہر تجارت اور دوکان داری سے حاصل ہوتا ہوا نظر آتا ہے وہ اللہ ہی کے حکم سے ملتا ہے، اگر اللہ نہ چاہے تو نہ ملے۔

الغرض اس کائنات کی کسی چیز سے جو کچھ ہوتا ہوا نظر آتا ہے، انبیاء علیہم السلام نے بتلایا کہ وہ دراصل اُس چیز سے نہیں ہوتا، بلکہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ (قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)

اس لیے اُن کا اور اُن کے ماننے والوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تمام مسائل کی کنجی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں یقین کرتے ہوئے ان اعمال واخلاق پر زور دیتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا وابستہ ہے، وہ پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اللہ کی رضا والے اعمال واخلاق

اختیار کرو تاکہ ارادۂ الٰہیہ تمہارے مسائل کے حل کی طرف متوجہ ہو، اس لیے کبھی کبھی تو وہ ظاہری اور دنیوی اسباب کو ہاتھ لگائے بغیر ہی بالکل معجزانہ طور پر اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی تبدیلیاں کرا لیتے ہیں۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو جب ان کی قوم نے بہت ستایا اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو انھوں نے بس اللہ کی جناب میں ہاتھ اٹھائے اور پوری قوم کی تباہی مانگی (رَبِّ اِنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ـــــ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا) اللہ تعالیٰ نے ایک سخت تباہ کن سیلاب بھیجا جس نے ایک ظالم کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ (فَاَغْرَقْنَاهُمْ اَجْمَعِيْنَ ـــــ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ)۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جب عاجز آ گئے تو انہوں نے فرعون اور اس کی حکومت کا زور توڑنے کے لیے کوئی دنیوی اور مادّی تدبیر تو نہیں کی، نہ ان کے حالات ایسے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت پر کامل یقین کرتے ہوئے نمازوں کے بعد دعاء کی کہ:- فرعون جس دَولت وحکومت کے بل پر یہ مظالم ڈھا رہا ہے، اور تیرے بندوں کو تیری بندگی کے راستہ سے روک رہا ہے، اے اللہ! تو اُس مال و دولت اور طاقت وحکومت کو مٹا دے اور جھاڑو پھیر دے۔ (رَبَّنَا اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ)۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ دعاء قبول کی، اور فرعون اور فرعونیت کو نیست ونابود کر دیا گیا۔

اسی طرح قومِ ثمود، قومِ عاد، قومِ مدین اور قومِ لوط یہ سب بھی براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے تباہ ہوئیں، ان کو ختم کرنے کے لیے کوئی دنیوی اور مادّی کوشش ان میں آنے والے پیغمبروں نے اور ان کے ساتھیوں نے نہیں کی تھی۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی بیوی اور نومولود بچے حضرت اسمٰعیلؑ کو اللہ کے حکم سے اُس وادی غیر ذی ذرع میں چھوڑا جس میں انسانی زندگی کا

کوئی سامان نہیں تھا حتیٰ کہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا تو اُن کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سامانِ حیات پیدا کرنے کی کوئی دنیوی اور اسبابی کوشش بالکل نہیں کی بلکہ بس اپنے مالک اور پروردگار سے دعاء کی:۔ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست اپنی خاص قدرت سے اُن کے لیے زمزم کا چشمہ جاری کیا، جس کا پانی آج بھی مشرق و مغرب تک پایا جاتا ہے اور اُس بے آب وگیاہ وادی کو ایسا مرکز بنا دیا کہ ہر طرف سے کھانے پینے کی چیزیں وہاں پہونچنے لگیں اور آج تک پہونچ رہی ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کے صدقہ میں اپنی قدرت سے کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے لیے دعاء کے سوا کوئی اسبابی محنت نہیں کی تھی۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین اللہ ہی کے حکم سے اسباب کے راستہ سے بھی محنت کرتے ہیں، لیکن اس محنت میں بھی اُن کے دل کی نگاہ ربّ الاسباب ہی پر جمی ہوتی ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں اور زبان سے کہتے بھی ہیں کہ جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں اور کریں گے، لیکن اصل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، وجود میں وہی آئے گا جو اس کا فیصلہ ہو۔

غزوۂ بدر سے لے کر فتح مکہ تک جتنے غزوات ہوئے اُن سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امکان بھر اسبابی جدوجہد بھی کی، اور جو کچھ اُس وقت کر سکتے تھے وہ سب کچھ کیا، لیکن ہر لمحہ دل اس یقین سے معمور رہا کہ اصل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو کچھ ہوگا اُسی کے ارادہ اور فیصلہ سے ہوگا۔ چنانچہ تمام غزوات میں جب آپؐ کو فتح حاصل ہوئی تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کے ساتھ بار بار اس کا اعلان فرمایا کہ جو کچھ ہوا ہے اللہ کی مدد سے، بلکہ صرف اسی کے کرنے سے

ہوا ہے۔

بہرحال انبیاء علیہم السلام اور اُن کے ساتھیوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آخرت اور جنت کی طرح دنیا کی چیزوں کے بارے بھی یہ یقین کرتے ہیں کہ اُن کا دینا نہ دینا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے یہاں کی چیزوں کے لیے بھی اُن کی اصل اور اولین محنت اللہ کی رضا والے اعمال پر ہوتی ہے۔ خدا سے غافل ہو کر وہ دنیا کی کسی چیز پر محنت قطعًا نہیں کرتے۔ انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کا طریقہ یہی ہے، اور اسی طریقے سے اللہ کی مدد کے دروازے کھلتے ہیں۔

دنیا کی چیزوں کے لیے براہِ راست صرف ان چیزوں پر محنت کرنا جیسا کہ میں نے کہا عام انسانوں کا بلکہ عام جانوروں کا طریقہ ہے۔ ان کے پاس اپنے تجربے اور مشاہدے کے سوا علم و یقین کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اور ہمارے پاس حقیقی علم اور یقین کا ذریعہ انبیاء علیہم السلام کی اطلاعات ہیں۔ کائنات میں سے چیزوں کا نکلنا، جو ہم کو نظر آتا ہے، انبیاء علیہم السلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے ذریعہ اس کی نفی کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"چیزوں کا وجود نظر آنے والی چیزوں سے نہیں ہے، بلکہ اللہ کے حکم سے ہے جو نظر نہیں آتا"

وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"اصل وہ نہیں ہے جو آنکھوں کو نظر آ رہا ہے، بلکہ اللہ کا وہ حکم اور ارادہ ہے جو نظر نہیں آ رہا"

یہی ایمان بالغیب ہے، اس لیے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والوں کا طریقہ قیامت تک کے لیے یہی ہونا چاہیے کہ اُن کی نظر میں اصل اہمیت اشیاء والی محنت کی نہ ہو، بلکہ اُس سے زیادہ فکر اُس ایمان اور اُن اعمال و اخلاق کی ہو جن پر اللہ تعالےٰ کی مدد ہوتی ہے۔

بدقسمتی سے اس وقت مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ اپنے مسائل کے لیے ان کی ساری محنتیں اُس طریقے پر ہو رہی ہیں جو عام انسانوں اور جانوروں کا طریقہ ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے

کہ مسلمان اس طرزِ عمل کو بدلیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا طریقہ اختیار کریں، اس طریقے پر محنت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی غیبی طاقتیں ساتھ ہوجاتی ہیں، یہ وہ طاقتیں ہیں جو روس یا امریکہ کے ایٹم بموں یا راکٹوں سے بھی شکست نہیں کھاسکتیں، بلکہ یہ راکٹ اور ایٹم بم اللہ کی غیبی طاقتوں کے مقابلے میں مچھر اور مکھی کی طرح بے حقیقت ہیں۔ جو لوگ اللہ کو اور اس کی طاقتوں کو نہیں جانتے ان کو یہ باتیں عجیب سی معلوم ہوں گی، لیکن حقیقت بالکل یہی ہے (وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ٥ ـــ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ)۔

مسلمان جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام والے اس طریقہ کو اختیار کرنے کا فیصلہ کریں گے تو سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ اپنے اندر کے یقین کو ٹھیک کریں اور چیزوں سے اور مادّہ سے کچھ ہونے کے بجائے اللہ کے حکم سے ہونے کا یقین پیدا کریں، یہ یقین اس زمانہ کے حالات میں خاص مشق اور مجاہدہ کے بغیر اور دنیوی انہماک اور مادیات کی مشغولیات میں کمی کیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا

اس کے علاوہ بھی زندگی کے نقشے میں بہت بڑی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی۔ نفس کی خواہش کے بجائے اللہ کے احکام کے تحت زندگی گذارنی پڑے گی۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی کے نقشہ کو سامنے رکھ کر طے کرنا پڑے گا کہ زندگی میں سے کتنا وقت مسلمان کا کمانے میں لگنا چاہیئے اور کتنا عبادت اور تعلیم وتعلم میں اور کتنا زندگی کو صحیح کرنے والی مشق ومحنت میں؟ پھر کمائی کو اللہ کے احکام کا پابند کرنا پڑے گا، رشوت چھوڑنی پڑے گی، زیادہ نفع حاصل کرنے کے لیے جھوٹ جس کا اب عام رواج ہوگیا ہے، بالکل چھوڑنا پڑے گا۔

اس کے علاوہ جو ناجائز طور طریقے آج کل کمائی میں عام طور سے رائج ہوگئے ہیں ان سب کو چھوڑنا پڑے گا، پھر اس کی وجہ سے کمائیوں میں کمی آئے گی، اس کو بھی برداشت

کرنا پڑے گا۔ پھر یہ بھی طے کرنا ہوگا کہ اپنی کمائی میں سے کتنا اپنے اوپر خرچ کیا جائے اور کتنا اللہ کے دوسرے ضرورت مند بندوں پر!

آج حالت یہ ہے کہ جس شخص کی کمائی زیادہ ہے وہ یا تو قارون کی طرح اپنا خزانہ بڑھائے جارہا ہے یا عیاشوں کی طرح اپنی فضول خرچیوں میں اضافہ کیے جارہا ہے۔ ایک مکان موجود ہے تو اس سے عالی شان دوسرا مکان بنانا چاہتا ہے۔ سواری کے لیے ایک موٹر موجود ہے تو دوسری اس سے بڑھیا خریدنا چاہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا سے ان بُرائیوں کو مٹانے کے لیے آئے تھے، جب مسلمان اپنی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر لانے کا فیصلہ کریں گے تو انھیں یہ کرنا پڑے گا کہ خود چھوٹے معمولی مکان میں گذارا کریں اور اپنی فاضل کمائی سے اللہ کے بے گھر بندوں کے لیے مکان بنوائیں، خود سادہ اور معمولی کھائیں، اور اس طرح جو بچت ہو اس سے ان بھوکوں کی روٹی کا انتظام کریں جن کے پاس پیٹ بھرنے کا سامان نہیں ہے۔ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر کم سے کم خرچ کریں۔ اور جن غریبوں کی بیٹیاں ناداری کی وجہ سے گھر بیٹھی ہوئی ہیں اپنی کمائی سے ان کی شادیوں کا بندوبست کریں۔ پھر ان معاملات میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی تفریق نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ نے یہ حقوق سب حاجت مندوں کے لیے رکھے ہیں، اس لیے یہ سلوک سب کے ساتھ کرنا ہوگا۔

آج مال ودولت کے بارے میں اور کمائی اور اس کے خرچ کے معاملہ میں ہمارا طریقہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا طریقہ نہیں ہے، ابو بکرؓ وعمرؓ والا طریقہ نہیں ہے بلکہ یہودیوں اور مہاجن بنیوں والا طریقہ ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور غضب کا فیصلہ ہوچکا ہے۔

الغرض حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر آنے کے لیے مسلمانوں کو اپنی پوری ظاہری اور باطنی زندگی کا نقشہ بدلنا ہوگا اور اس سب کے ساتھ ایمان وعمل صالح اور اخلاق والی زندگی کو دنیا میں پھیلانے اور فروغ دینے کے لیے محنت ومجاہدہ بھی کرنا پڑے گا اور اس میں نیت صرف اللہ کی رضا اور اس کے بندوں کی خیرخواہی اور نفع رسانی

کی ہوگی، جب جاکر زندگی وہ بنے گی جس کو لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آئے تھے۔
یہ زندگی اگر کچھ افراد اختیار کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے انفرادی مسئلے اس دنیا میں بھی حل فرمائے گا اور آخرت میں بھی ان کو خاص الخاص نعمتوں سے نوازا جائے گا، اور اگر یہ زندگی مسلمانوں کی اجتماعی زندگی بن جائے اور ان کا معاشرہ اس رنگ میں رنگا جائے تو اللہ تعالیٰ ان کے اجتماعی مسائل بھی اپنی خاص قدرت سے حل کرے گا، جن کے دلوں میں ان کی دشمنی ہے یا تو ان کے دوست اور فدائی بنا دیئے جائیں گے، اور جو اس کے بعد بھی دشمنی پر قائم رہے تو یا تو تباہ و برباد کردیئے جائیں گے یا ذلت کا عذاب ان پر مسلط ہوگا، یہی اللہ کا وعدہ ہے اور یہی سنت اللہ ہے۔
"فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا"
ہم مسلمانوں کو اسی زندگی کے حاصل کرنے اور اپنانے کی دعوت دیتے ہیں، نہ صرف اس لیے کہ ان کے موجودہ مسائل و مشکلات حل ہوں بلکہ اس لیے کہ دراصل یہی مقصدِ تخلیق ہے اور اسی کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی۔
ہمارا ایمان ہے کہ اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا یہ راستہ اختیار کیا تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں ہمارے سامنے جھکنے پر مجبور ہوں گی، اور دنیا کا ہر مسئلہ ہمارے مسئلہ کے تابع کردیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے مُلک و مال پر نہیں ہیں بلکہ ایمان اور عملِ صالح پر ہیں، اس لیے انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے نزدیک سب سے اہم اور مقدم ایمان اور اعمال کی درستی کی فکر اور جدوجہد ہے، خاص کر ہماری کامیابی اور فلاح اسی سے وابستہ ہے۔
مسجدوں کے میناروں سے پانچوں وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعوت اور پکار آج بھی دُہرائی جاتی ہے کہ :-
حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ؛ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح
(نماز کو آؤ، یہاں تمہاری فلاح کا سامان ہے، اس کو یہاں مسجد میں آکر حاصل کرو)
مسجد دراصل ایمان حاصل کرنے کی جگہ اور ایمانی زندگی کی تعلیم و تربیت کا مرکز

تھا، وہاں ہر وقت ایمان افروز ماحول اور ایمان آفریں تذکرے رہتے تھے، اور نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق قائم کرنے اور پوری زندگی میں یعنی زندگی کی ہر نقل و حرکت میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی مشق و تربیت کا ایک نظام تھا، لیکن اب مسجد محلہ کے سرمایہ داروں کا ایک تابعدار ادارہ ہے کیونکہ مؤذن اور امام صاحب کو وہی تنخواہ دیتے ہیں اور دوسرے انتظامات بھی وہی کرتے ہیں، اس لیے وہاں بھی انھیں کی چلتی ہے، اور اس لیے قدرتی طور پر مسجدوں میں بھی انھیں کا مزاج اور طریقہ متعدی ہوتا ہے۔
اب مسجدوں اور نمازوں کے ساتھ لوگوں کا تعلق صرف اتنا ہے کہ گھڑی دیکھ کر چند منٹ کے لیے آتے ہیں اور جن تقاضوں اور مشغلوں سے نکل کر آئے تھے، بس جلدی جلدی بے جان قسم کی چند رکعتیں پڑھ کر اپنے انھیں تقاضوں اور مشغلوں میں واپس چلے جاتے ہیں۔
میں یہ نہیں کہتا کہ یہ مسجدیں اب مسجدیں نہیں ہیں اور نمازیں نمازیں نہیں ہیں، ہاں یہ کہتا ہوں کہ ان مسجدوں اور نمازوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق اور وہ ایمانی زندگی حاصل نہیں ہو رہی اور نہیں ہوسکتی جس سے ہماری فلاح وابستہ ہے اور جس کے لیے ہم کو "حَیَّ عَلَی الْفَلَاح" کہہ کر پکارا جاتا ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کسی مُلک یا حکومت کے سہارے نہیں چھوڑا تھا، بلکہ بتایا تھا کہ تمہاری اصل طاقت ایمان اور اخلاق ہے، تمہاری کامیابی انھیں سے وابستہ ہے، اور ایمان و اعمال و اخلاق پیدا کرنے اور ان کی تربیت حاصل کرنے کے لیے آپ ﷺ مسجد کو ایک مرکز بنا گئے تھے اور اپنے عمل سے اس کا ایک خاص ماحول اور نقشہ بھی بنا گئے تھے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں مسجدِ نبوی ﷺ کا ماحول اور نقشہ تھا، اور بعد میں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی وہی ماحول اور نقشہ رہا۔
ہم اس جدوجہد کے ذریعہ جس کا نام "تبلیغ" پڑ گیا ہے یہی کوشش کرنا چاہتے ہیں کہ مسجدوں کا پھر وہی ماحول و نقشہ بنے جو مسجدِ نبوی ﷺ کا تھا۔ وہاں ایمانی تذکرے اور ایمانی مجلسیں

ہوں، تعلیم و تعلّم کے حلقے ہوں، ذکر و عبادت اور خشیت و انابت کی فضا ہو، دینی تقاضوں کی فکریں اور ان کے بارے میں مشورے ہوں، دینی جد و جہد اور دینی تقاضوں کے لیے نقل و حرکت کا وہ مرکز ہوں۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں مسجدِ نبویؐ اور دوسری مسجدوں میں چوبیس گھنٹے جو کچھ ہوتا تھا اور جو نظام چلتا تھا وہی ہماری مسجدوں میں ہوا کرے، لیکن یہ جب ہی ہوسکے گا جب مسجدوں والے اس زندگی اور اس نقشے کے عادی بن جائیں گے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب لوگ لمبے وقتوں کے لیے اپنے گھروں اور مشغلوں سے نکل کر اس زندگی کی مشق اور تربیت حاصل کریں اور دوسروں پر بھی اس کے لیے محنت کریں۔

ہم بس اسی کی دعوت دیتے ہیں، نہ ہم اپنی طرف بلاتے ہیں نہ اپنی قائم کی ہوئی کسی تنظیم اور پارٹی میں شامل ہونے کے لیے کہتے ہیں، بلکہ مشق اور مجاہدہ کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ایمانی زندگی حاصل کرنے اور دنیا میں اس کو فروغ دینے کے واسطے محنت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

فبشر عبادی الذی یستمعون القول فیتبعون احسنہ

اولئك الذین ھداھم اللہ واولئك ھم اولوا الالباب

(ماخوذ از ماہ نامہ الفرقان لکھنؤ ماہ صفر ۱۳۸۲ھ)

بیان نمبر ۵

شادی کی تقریب میں حضرت مولانا محمد یوسف علیہ الرحمہ کی

ایک اہم تقریر

تمل ناڈ کے مشہور مقام "ڈنڈی گل" میں جنوری ۱۹۵۸ء میں سہ روزہ بڑا تبلیغی اجتماع ہوا تھا، اجتماع کے دوران ہی مقامی حضرات کی طلب پر متعدد نکاح بھی ہوئے اس موقع پر حضرت مولانا نے بیاہ شادی کی اسلامی روح کے متعلق مختصر سی مگر اہم تقریر فرمائی حضرت مولانا نے فرمایا:-

اس وقت چند نکاح ہو رہے ہیں، یہ ایسا عمل ہے جس میں ہم اپنی تمام قوتوں کو خرچ کر دیتے ہیں، مال بھی جان بھی، لیکن وہ خرافات اور ہنگامے جو نکاح میں ہوتے ہیں، وہ ان نکاحوں میں نہیں ہو رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے مبارک ساتھی بھی انسان تھے۔ انسانی تقاضے وہ بھی پورے فرماتے تھے، مگر ان کا زیادہ مال و جان خدا کی راہ میں خرچ ہوتا تھا، اُمت کے لیے کچھ اسباب ایسے ہیں جن کو اختیار کرنے سے امت پھلتی پھولتی ہے اور کچھ اسباب ایسے ہیں جن کو اختیار کرنے سے بگاڑ آتے ہیں جن کی ساری دلچسپیاں اپنی زبانی اور نفسانی خواہشوں میں آجاتی ہیں، وہ مٹ جاتے ہیں جن انسانوں کا نظریہ فقط مال حاصل کرنا ہوا اور مال کو اپنی نفسانی خواہش اور زبان پر خرچ کرنا ہو وہ مٹا کرتے ہیں، بڑی بڑی حکومتیں اور مالدار انسان ان دونوں چیزوں میں پھنس کر اپنا مال خرچ کرتے ہیں وہ دنیا میں مصیبت اور آخرت میں عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں، نیست و نابود ہوجاتے ہیں، ان کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ اور جن کو اللہ رب العزت چمکانے کا ارادہ کرتے ہیں ان کو ان دونوں چیزوں سے نکلتے ہیں۔

وہ ان دونوں چیزوں پر اپنا پیسہ خرچ نہیں کرتے، بلکہ وہ ایمان واخلاق کی راہ میں اپنے مال اور جان کو خرچ کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے بہت نکاح کیے ہیں، جب وہ غربت میں تھے اور حکومتیں ان کے قبضہ میں تھیں، دونوں وقتوں میں نکاح و شادیاں ہوجاتی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ نکاح ہوئے، ولیمہ میں کوئی خاص انتظام کھانے کا نہیں ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں بہت معمولی خرچ کیا حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وہ گورنر تھے نکاح کیا تو سسرال والوں نے مکان سجا رکھا تھا تو فرمایا کہ کیا کعبہ کندہ میں منتقل ہوگیا ہے یا تمہارے مکان کو بخار چڑھ رہا ہے جو تم نے کپڑے پہنا رکھے ہیں، جواب ملا آپ کی شادی کے لیے سجایا تھا۔ فرمایا میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مکان میں رہنے سے منع فرمایا ہے جس کو کپڑوں سے سجایا گیا ہو، پہلے مکان کی زینت ساری کی ساری اتار کر رکھی گئی، تب مکان میں داخل ہوئے پھر بہت سے غلام باندیاں خدمت کے لیے سامنے آئیں اس پر فرمایا سب قیامت میں حساب وکتاب دینے کا ذریعہ بنیں گی۔ اس لیے میں ان کو نہیں لوں گا۔ آگے بہت سا ساز وسامان دیکھا، سب سامان واپس کیا، آگے گئے تو بہت سی عورتیں جمع تھیں جو دلہن کو رخصت کرنے کے لیے آئی تھیں، سب کو اٹھا دیا اور اس کے بعد اپنی بیوی کے پاس گئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی شادی میں مکان سجایا گیا، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے شرکت سے منع فرمایا جس میں مکان شادی کی وجہ سے سجایا جاوے۔

ایک گورنر نے ایک بارات کی رخصتی دیکھی جس میں بہت سے لوگ روشنی میں دلہن کو لیے جا رہے تھے تو آپ نے درّہ لے کر سب کو مارنا شروع کیا، سب دلہن کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور اگلے روز خطبہ دیا کہ خدا ایسے لوگوں پر لعنت کرے جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف شادی کی۔

”یہی وہ لوگ ہیں جو غریبوں پر مال خرچ کرتے تھے اور خدا کی راہ میں خرچ کے لیے سارا مال لاکر پیش کر دیا کرتے تھے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری شادیوں میں انبیاء علیہم السلام

وصحابہؓ والی اور اولیاء والی برکتیں پیدا ہوں اور ہماری اولاد نیک اور صالح ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ نکاح میں ایک مرد کو ایک عورت سے ملانا ہوتا ہے، اگر خدا کی مخلوق کو خدا سے ملائے تو کتنا ثواب ملے گا۔ نکاح میں نیت یہ ہو کہ گناہ سے بچوں گا۔ بیوی اور اس کے رشتہ داروں کے حقوق ادا کروں گا تو یہ شادی جنت دلائے گی۔“

اس کے بعد حضرت مولانا موصوف نے خطبۂ نکاح پڑھ کر ایجاب وقبول کرایا۔

(ماخوذ از سوانح حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ ص۳۴۴)۔

بیان نمبر ۶

لائل پور میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا

پروانوں سے خطاب

ماہ اپریل سنہ ۱۹۶۱ء

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت کی بھلائیاں اور کامیابی لینے کے لیے بہت سے اعمال لے کر تشریف لائے ہیں: تاجر، حاکم، کمانے والے، نہ کمانے والے جتنے بھی انسان ہیں ہر ایک کو آپ نے وہ طریقے بتائے ہیں جس پر اگر کوئی چوبیس گھنٹے کی زندگی گذار دے تو ہر طبقہ خوب پھلے پھولے، دنیا میں اور مرنے کے بعد آخرت میں خوب مزے کی زندگی گذار دے، اس طریقے کا نام عمل صالح ہے۔ اور اس کا تعلق ایمان سے ہے۔ اب چوبیس گھنٹے کی زندگی کو دین بنانے کے لیے ہر ہر آدمی کو اس کے لیے تیاری کرنی پڑتی ہے، جیسے نماز کی جماعت کی تیاری کرنی پڑتی ہے، امام کو بھی تیاری کرنی پڑتی ہے، اور مقتدیوں کو بھی الگ الگ تیاری کرنی پڑتی ہے۔ ہر ایک کو طہارت کرنی پڑتی ہے۔ ہر ایک کو وضو کرنا پڑتا ہے۔ ہر ایک کو نیت کرنی پڑتی ہے۔ پھر ایک آدمی آگے بڑھ کر نماز پڑھاتا ہے۔ اسی طرح ہر ہر آدمی کو دین پر پڑنے کے لیے تیاری کرنی پڑتی ہے۔ اگر امام تیار ہو کر آئے لیکن سارے مقتدی بے وضو ہوں، یا ناپاک کپڑے پہنے ہوئے ہوں، یا کسی کا منہ مشرق کی طرف ہو، کسی کا شمال کی طرف ہو، اور امام نماز پڑھاتا ہو تو وہ جماعت کی نماز نہیں ہوگی، بلکہ ایک کی نماز ہوگی۔ اسی طرح دین پر چلنے والوں کو اور چلانے والوں کو تیاری کرنی پڑتی ہے۔ مجموعہ میں سے ہر ایک کے اندر علم، اخلاق، اخلاص لانا ساری اُمت کا فریضہ ہے۔ جب سارے

مل کر سب ہی کوشش کریں گے تو سب میں دین قائم ہوگا۔ ایک دوسرے کو سمجھا کر ایک دوسرے کو تعلیم کے حلقوں میں ڈال کر ایک دوسرے کو رضا جوئی کی باتیں بتا کر جب کوشش کریں گے تو سب خوشی خوشی دین پر چلیں گے۔ اسی طرح بے تیاری سب کا دین پر چلنا مشکل اور خام خیالی ہے جس طرح بے وضو کی نماز نہیں ہوتی۔ سارے طبقات میں وہ باتیں چل پڑیں۔ اس لیے دین کی محنت کی جتنی قیمت تجویز ہوئی اتنی کسی اور چیز کی نہیں ہوئی۔ اپنی ذات سے دین پر چلنے والوں کی جنت گھٹیا قسم کی ہے اور دین پر محنت کرنے والوں کی جنت اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ جیسے دنیا کو اپنے حکم سے بنایا، اور انسان کو اپنے خاص طریقہ سے بنایا۔

اسی طرح جنّت کی دو قسمیں ہیں۔ محنت کرنے والوں کی جنت کو اپنی خصوصیت سے بنایا ہے، محنت کا حق اگر پورا کر دیا جائے اور محنت کی شکلیں پوری کر دی جائیں فی آدمی پچیس لاکھ حوریں دی جائیں گی۔ اور دنیا میں محنت کرنے والوں کی دعائیں اس طرح قبول کریں گے جس طرح نبیوں کی دعائیں ہوتی ہیں۔ نبیوں کی دعاؤں سے اندھوں کو بینا کر کے دکھلایا، نبیوں کی دعا سے آگ کو گلزار کر کے دکھلایا ہے۔ وہ جب ہوگا جب ان کی محنت میں کمال پیدا ہوگا۔

ایک آدمی باتیں کر رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تو جھوٹ بول رہا ہے فرمایا ان سے باز آ، ورنہ میں بددعا کروں گا، تو اندھا ہو جائے گا۔ کہا نہیں میں سچ بول رہا ہوں، بددعا کی اور وہ اندھا ہو گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو کہا کہ تو حضرت علی رضؓ اور ان کے ساتھیوں کو بددعا مت دو، وہ نہ مانا، آپ گئے، وضو کیا، دعا مانگی کہ اے اللہ اسے عبرت ناک سزا دیدے۔ مدینہ منورہ کی گلیوں سے ایک اونٹ آیا اور اس آدمی کو کھوپڑی سے پکڑ کر اٹھا اٹھا کر اس طرح مارا کہ وہ ختم ہو گیا۔

محنت کرنے والوں کی دعاؤں سے عزّت والے ذلّت والے بنتے ہیں، ان کی دعاؤں سے ذلّت والے بنتے ہیں۔ ان کی دعاؤں سے بے اختیار با اختیار بنتا ہے۔

ان کی دعائیں ملک والوں پر چلتی ہیں، مال والوں پر چلتی ہیں، ان کے سب محتاج بنتے ہیں اور یہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہ دس بیس پر نہیں ہوگا۔ بلکہ صحابہ رض کے نقشے کو سامنے رکھو کہ اس نقشے کو کیسے بھوک پیاس میں ٹڈیاں کھا کھا کر اور گرم ہواؤں میں اور سردیوں میں خوف میں ساری تکلیفیں اپنی جان پر جھیل کر چلایا، اور نقل و حرکت کو قائم کیا، سب کچھ چھوڑ کر دین کی محنت کے تقاضوں کو دن رات پورا کیا۔ تب خداوندِ قدوس نے ان کو دعاؤں کے مقام پر پہنچا دیا۔ ہر طرح کی معذوری میں چلتے رہیں۔ ہاتھ کٹ گیا اور چل رہے ہیں۔ غرض کام کرنے کا ایک نقشہ ہے، اگر وہ زندہ ہو جائے تو ان کی دعاؤں پر اللہ پھیر دیں گے۔ پھر فتنوں کے نقشے ختم ہو کر رحمت کے نقشے سامنے آجائیں گے۔ ان کی دعاؤں پر فتن والوں کے دل طاعت کی طرف پھیریں گے۔ ابھی ہم اپنے دل پلٹوانے کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ دل جو بیوی کے ساتھ اٹکا ہوا ہے، اور تن پروری کے ساتھ اٹکا ہوا ہے، مال میں اٹکا ہوا ہے۔ پہلے تو اپنے لگنے کے واسطے محنت کرنی ہوگی کہ اللہ ہمیں اس طریقے پر محنت کرنے پر ڈال دیں جس پر اللہ دلوں کو پلٹتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے کا وقت کیسے گذرے۔ محنت کرنا اور مانگنا کہ تیری طرف جتنا مطالبہ ہے اتنا ہم اس میں تیری آواز اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز لے کر چپہ چپہ میں پھرنے والے بن جائیں، پہلا قدم یہ ہے۔

یہ مت سمجھو کہ چلہ محنت ہے اور واپس آکر وہی غلط نقشے چلاتے ہیں، بلکہ اس محنت کو بڑھانا ہے اور زندگی کے سارے نقشوں کو درست کرنا ہے، اسی طرح چلنے سے اللہ تعالیٰ پوری کو باطل سے حق کی طرف پھیر دیں گے۔

وقتی طور پر جوش میں تین چلّے دے کر پھر جو کمائی میں لگتے ہیں تو مقامی گشت کا پتہ نہیں جیسے دیمک لکڑی میں لگتی رہتی ہے۔ اسی طرح دن رات اس کام میں لگے رہو جس وقت خدا کی آواز لگے، ہم ساری چیزوں کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوں۔

یمامہ میں پندرہ سو صحابہ رض شہید ہوئے۔ دو طرح کے صحابہ تھے۔ ایک توبہ والے، ایک واقعی کام کرنے والے، توبہ والے کون تھے؟ سارے عرب مرتد ہو گئے اور لوگ بھاگ کر مدینہ منورہ آئے، اور بولے اے ابوبکر رض! ہماری توبہ۔ فرمایا توبہ تمہاری یہ ہے کہ ان کے مقابلہ میں

جاؤ۔ دوسری وہ قسم تھی جو مدینہ منورہ کی تھی، جن کو تکلیفیں اٹھانی آتی تھیں، اور اللہ پر مرنا آتا تھا، وہ نعمتوں کے لیے کام نہیں کرتے تھے بلکہ نعمتوں کو قربان کرنے کے لیے کام کرتے تھے، ان کے جذبے تھے کہ خدا کے لیے ان کے ناک کان کاٹ دیئے جائیں، نہ وہ عورتوں کے طالب تھے، نہ عہدوں کے، نہ ملک کے، وہ خدا کے لیے تکلیفیں اٹھانا چاہتے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ کسی کو تکلیف پہونچے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتے ہیں وہیں دعا مانگی، اے اللہ بخار دے جو نہ تعلیم سے مجھے روکے، نہ نقل و حرکت سے روکے، وہیں بخار چڑھ گیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو موت آ رہی تھی اور وہ دعا مانگ رہے تھے کہ اللہ میں جانتا ہوں کہ تجھ کو مجھ سے محبت ہے، مجھے اور تکلیف پہنچا۔ توبہ والے وہ ہیں جن کو ابوبکر رض ابھار رہے ہیں کہ وہاں جا کر لڑو۔ یہ تمہاری توبہ ہے، توبہ والے چلّے کو چلے جاتے ہیں کہ امتحان میں پاس ہو جائیں، مقدمہ جیت جائیں، زمین کا قضیہ ٹھیک ہو جائے۔ ایک دفعہ دعا نہیں مانگتے کہ دین پر مرنا نصیب ہو، چلّہ دے کر مردم شماری کر دیتے ہیں، کمائی میں دھیان لگا ہوا ہے۔ خط آگیا، بیوی پریشان ہے، بس بھاگ گئے۔ دیہاتی صحابہ رض بھاگ گئے۔ یہ تمام حالتوں میں دین کی محنت کے لیے نہیں نکلتے تھے، پھر جوڑا، پھر بھاگ گئے، مخلوط کھڑے تھے، توبہ والے بھاگے، تو کام کرنے والے بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن آواز لگی ان کی جانیں چلی جائیں اور دین کا کام ہو جائے۔

ابن عجرہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک صحابی رض کے بیس پچیس زخم آئے تھے اور بیہوش پڑے تھے۔ آواز لگی تو ان کو ہوش آیا، سرکنا شروع کیا، پوچھا کہاں جا رہے ہو، کہا آواز پر جا رہا ہوں۔ فرمایا کام کرنے والوں کو بلا رہے ہیں، زخمیوں کو نہیں بلا رہے ہیں۔ فرمایا میری قوم کو آواز لگی ہوئی ہے، ریت پر گھسٹتے ہوئے پہونچ گئے، سہارا لے کر کھڑے ہوئے، تین چار جملے کہے پروانوں میں بجلی سی دوڑ گئی۔ اے انصار حُنین کی طرح پلٹ کر دکھاؤ، اور بدر کی طرح جم کر دکھاؤ۔ مسیلمہ کذاب کے آدمی بھاگ گئے۔ حضرت براء رض نے کہا کہ قلعہ میں مجھے پھینک دو۔ میں اندر سے کنڈی کھول دوں گا۔ حضرت براء اندر گئے اور پینتالیس ہزار کا مقابلہ اکیلے کیا،

غالب آئے اور کیواڑ کھول دیئے، تو نے زخم کھائے۔

ہر حالت میں جمو اور جماؤ، محنت کرتے رہو اور بڑھتے رہو، یہاں تک کہ تمہاری غریبی پر اُکس مپرسی پر خدا کو ترس آجائے۔ دین زور سے زندہ نہیں ہوتا، دین زر سے زندہ نہیں ہوتا، دین زاری سے زندہ ہوتا ہے۔ زندہ دین ملک و مال آنے کے بعد مٹ گیا، ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے خال خال ملیں گے، جنہوں نے ملک و مال آنے کے بعد اپنی پہلی والی قربانی پر باقی رکھا، دین چلاتی ہے، ان کی قربانیوں پر، دین کے لیے تکلیفوں پر خدا کو ترس آتا ہے۔ کھانے کو نہ ہو پھر بھی نکلیں، سواری نہ ہو، پیدل نکلیں۔ پتے کھا کر چلیں۔ دین آج سینکڑوں برس میں جو منزلیں طے نہیں کر سکا، چند سالوں میں طے کرے گا۔ پہلے اپنے آپ کو اسی محنت پر کھڑا کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ وہ محنت جس کو کرنے سے قرنِ اول کا دین زندہ ہوتا ہے، ہر حال میں ضبط کر کے محنت کر کے چلا جائے۔ محنت کے تقاضوں میں کمی نہ آئے، وہ محنت رنگ لائے گی، ان کو محنت کرتے کرتے کیا ملے گا؟ یہ محنت کرتے کرتے فقیر بن جائیں گے لیکن قیامت کے دن حساب سے پہلے اللہ اعلان فرمائینگے میرے احباب کو میرے قریب کردو، تمام انبیاء و رسل حیران ہوں گے کہ اے اللہ! آپ کے بھی احباب ہیں؟ فرمائیں گے، وہ فقراء و مہاجرین جو ایک جگہ سے آئے اور دوسری جگہ روانہ کر دیئے گئے، یہاں تک کہ وہ اپنی حاجتوں کو دل میں لے کر مر گئے، موقع نہ ملا چھپر بنانے کا، علاج کرانے کا، وہ میرے احباب ہیں۔ یہ سب سے پہلے جمع کیے جائیں گے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائیں گے کہ تمہارے میدانِ محشر میں ہوتے ہوئے مجھے حساب کتاب کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ کبھی ان کو دوسروں کے حساب سے تکلیف نہ پہونچ جائے، وہ پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے، فرشتے روک لیں گے کہ حساب دو، وہ کہیں گے کہ اللہ نے ہم کو دیا کیا تھا جو حساب مانگ رہے ہو۔ وہیں سے اللہ کی آواز آئے گی، یہ سچ کہہ رہے ہیں۔ یہ محبوبیت کی بات ہے، ورنہ پانچ سو برس عبادت کرنے والے عابد سے پانی کے ایک پیالہ کے عوض سوال کر رہے ہیں کہ ہم نے چشمہ چلا رکھا تھا اور انار کا درخت تھا، لیکن ایک پیالہ پانی کے عوض پانچ سو سال کی عبادت

دے بیٹھا، باقی پیالوں اور اناروں کی قیمت لا، وہ تھرّا اٹھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جا میرے فضل سے جنت میں جا۔ اللہ ہم کو صرف آنکھ کی قیمت پر پکڑ سکتے ہیں۔ جو طبقہ اللہ کے احباب ہیں، اگر اللہ ہماری آنکھیں کھولے تو ہم سمجھیں کہ اصلی شرافت اور عزت ہے، چوبیس گھنٹے میں جو کچھ کرو، اللہ کو راضی کرنے کے لیے کرو۔ جو کچھ کرو اس میں نیت کی تجدید کرتے رہو، لوگ ایسا ایسا کہیں گے، تعریف کریں گے۔ یہ بھی دل میں نہ ہو، بس اللہ تعالیٰ راضی ہو جاتے، اس سے چیز قیمتی بنتی ہے اور دوسرے جو وعدے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیے، ان ساری باتوں پر یقین کر کے کرو۔ جو نمازوں پر بتلایا ان پر یقین کر کے نمازیں ہوں۔ یقین کرنا اور چیز ہے، جس پر یقین نہ ہو اس کی نیت مت کرو۔ نماز پر جنت کا یقین کرو، نیت کرو۔

اللہ کے راضی کرنے کا۔ یہ انداز کی باتیں ہیں، کہیں نیت کے زور میں یقین میں فرق نہ آجائے۔ وقت ان میں گزارو، دعوت میں، تعلیم میں، عبادت میں، ذکر میں۔

ہر ایک میں چار چار شکلیں ہیں۔ (۱) خصوصی گشت۔ اس میں سب کو ایک لاٹھی سے مت ہانکو، تمیز بھی کرنی پڑے گی اور موقع محل کے مطابق بات بھی کرنی پڑے گی۔

(۲) عمومی گشت۔ اس میں کلمہ کے مفہوم کی بات کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ زندگی بناتے ہیں۔

(ماخوذ از ماہ نامہ "حسنِ اخلاق" دہلی، ماہ اکتوبر ۱۹۹۳ء)

بیان نمبر ۷

عہد نبوی میں دینی محنت کا نقشہ

دینی محنت کرنے والے رفقا سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رح

کا ایک خطاب

یوں سمجھیے کہ ایک دینی محنت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک خاص نقشے کے ساتھ کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس محنت کو ان کے طریقے پر سیکھیں اور کریں الحمد للہ احباب نے چند مقامات میں تھوڑا تھوڑا اس محنت کو سیکھنا شروع کیا ہے لیکن کسی جگہ کی محنت کامل نہیں ہے بلکہ ابتدائی درجوں میں ہے۔ اب اگر ہر جگہ کے محنت کرنے والے یہ سمجھیں کہ پوری محنت یہی ہے جو ہو رہی ہے تو اصل شکل پر کوئی نہیں پہنچ پائے گا اب جو انسان بھی محنت شروع کرے وہ یوں سمجھے کہ میری محنت ابتدائی شکل پر ہے، اس کو کرتے کرتے اس شکل پر پہنچنا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھیوں نے کی تھی، جب وہ اصل محنت ہے تو انسان اپنی محنت کو اس کے مقابلہ میں بالکل ادنیٰ سمجھے۔ لہٰذا اصل محنت کو سامنے رکھ کر نیت کرے کہ انشاء اللہ مجھے ترقی کرکے انتہاء تک پہنچانا ہے۔

اب ایک تو یہ سوچنا ہے کہ اس محنت کا فائدہ کیا ہے؟ دوسرے یہ سمجھنا ہے کہ وہ محنت کیا ہے؟۔

اس محنت کا فائدہ یہ ہے کہ محنت کرنے والوں کو اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے انسانوں کو ہدایت مل جائے اور انسان دین پر اتنا ہی چلیں گے جتنی خدا کی طرف سے ہدایت ملے گی۔

تو اب محنت کی سطح جتنی بلند ہوتی جائے گی اتنی ہی خدا کی طرف سے ہدایت کی تقسیم عام ہوتی جائے گی۔ وہ محنت جب ختم ہو جاتی ہے تو ہدایت مسلمانوں میں سے نکلنا شروع ہو جاتی ہے، پہلے ہدایت کاروبار اور معاشرت میں سے نکلتی ہے کہ کاروبار میں جو دین کے احکامات ہیں ان کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں سے کاروبار چلانے لگتے ہیں، پھر فرائض نکلتے ہیں اور پھر مختلف برائیاں داخل ہونے لگتی ہیں حتّٰی کہ مسلمان دین سے نکلنے لگتے ہیں، اور جب یہ دین کی محنت کی جاتی ہے تو ہدایت خدا کی طرف سے آنی شروع ہوتی ہے۔ پھر جس درجے میں محنت ترقی کرتی جائے گی ہدایت پھیلتی جائے گی۔

ہدایت کی ایک سطح یہ ہے کہ نماز پڑھنے لگیں، دوسری یہ ہے کہ روزے، زکوٰۃ، حج ادا کرنے لگیں، تیسرے یہ کہ مال کمانے اور خرچ کرنے میں احکامات شرعیہ کی تعمیل ہونے لگے اس سے آگے یہ ہوتا ہے کہ خدا تمام انسانوں کو ہدایت دینے لگے۔ ہدایت کے بقدر دین زندہ ہوگا اور ہدایت محنت کے بقدر آئے گی۔ تو اب ہم جو یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ دین پر نہیں چل رہے ہیں، بلکہ اس سے نکل کر بے دینی میں داخل ہو رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ محنت نکل چکی ہے۔ اب بھی جہاں کے بندوں نے دین کی محنت شروع کر دی ہے، اتنی خدائے پاک نے ہدایت دینی شروع کر دی ہے، اور بقدر ہدایت کے دین زندہ ہونا شروع ہو گیا ہے۔ جہاں نمازی نہیں تھے، وہاں کچھ نمازی ہو گئے، جہاں روزے نہیں تھے، وہاں کچھ روزے زندہ ہو گئے، جہاں حج نہیں تھا، وہاں کچھ حج قائم ہو گئے، جہاں تعلیم کا رواج نہ تھا وہاں تعلیم ہونے لگی، لیکن ہدایت اس سطح کی ابھی نہیں ملی کہ کمائیوں کے اندر کے احکام پورے کریں اور کھانے پینے، مکان بنانے میں اور لین دین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی راہ اختیار کریں، تو ابھی ہم مسلمان بھی اس کے محتاج ہیں کہ محنت کی سطح بلند ہو تاکہ پوری زندگی میں اسلام پر چلنے کی سعادت حاصل ہو اور دوسرے انسانوں کو بھی اسلام کے سمجھنے کی ہدایت ملے۔ اب اس محنت میں دو نوعیتیں ہیں۔ ایک تو محنت کرنے والوں کی تعداد بڑھانا، دوسرے یہ محنت جو لوگ کر رہے ہیں ان کی مقدار محنت کی شکلوں میں بڑھنا۔ یہ دو علٰحدہ لائنیں ہیں۔ اگر لاکھوں محنت کرنے

والے بن جائیں مگر محنت تھوڑی تھوڑی کریں تو ہدایت تھوڑی تھوڑی آئے گی، اگر خدا ایسی صورت کردے کہ جو محنت کر رہے ہیں، ان کی مقدارِ محنت بڑھ جائے تو مسلمانوں کو بھی ہدایت ملے گی اور تمام انسانوں کو بھی ملے گی۔

ابھی تک جو ہماری محنت کی نوعیت ہے وہ یہ ہے کہ مشغول لوگ اپنی مشغولیتوں میں سے تھوڑا تھوڑا وقت اس طرح نکال رہے ہیں کہ ان کے دنیوی مشاغل میں فرق نہ پڑے، حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے دین کے لیے قربانیاں دلوائی ہیں تو اب محنت کرنے والوں میں جتنی حضور والی قربانی پیدا ہوگی محنت کی سطح بلند ہوگی۔ اب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی محنت بتلانا چاہتا ہوں جس سے ابھی ہم بہت دُور ہیں، لیکن اگر اس محنت کو سامنے رکھ کر چلتے رہیں گے تو خدا وہاں تک پہنچا دے گا، تو ہر کام کرنے والے کو محنت کے اس انتہائی نقشہ کو سامنے رکھ کر وہاں تک پہنچنے کی نیت کرنی چاہیئے۔

یہ بات تو آپ لوگ جانتے ہیں کہ سارے عرب میں مدینہ والوں کی محنت سے دین پھیلا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا عرب کا رقبہ چھوٹا نہیں تھا، ہندوستان کے برابر نہیں تو اس سے بہت کم بھی نہ تھا۔ اس وقت دنیا میں کمائیوں کے جو طریقے رواج پذیر تھے وہ بھی نہ تھے۔ پورے ملک میں کوئی حکومت قائم نہ تھی جس کے دفاتر وغیرہ کی نوکریوں کے ذریعہ بھی رزق کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ اس زمانے میں بیت اللہ پر آنے والے حجاج سے بھی وہاں کچھ وصول نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ حجاج کی مدارات میں ہر ایک قبیلہ کچھ خرچ کرتا تھا، لہٰذا حج کا شعبہ بھی اس زمانے میں کمائی کا شعبہ نہیں تھا، کھیت اور باغات بھی گویا نہیں تھے تجارتی نظام بھی مکہ معظمہ وغیرہ کے علاوہ نہ تھا، کہیں کہیں کھجور، انگور اور انار کے کچھ باغات تھے۔ چند مقامات تھے جہاں چھوٹے پیمانہ پر تجارت ہوتی تھی۔

غرض کہ پورا عرب عام طور سے ننگا بھوکا پیاسا عرب تھا، نہ سب کے پاس کپڑے تھے نہ مکانات تھے، پانی اور کھانا بھی پورے عرب کو نہیں ملتا تھا، بھوک کی شدت میں کیڑے

مکوڑے بھی کھا جاتے تھے۔ یہاں تک کہ زمین پر پڑا ہوا خون بغیر تحقیق کے کہ کس چیز کا ہے، کس جگہ کا ہے چاٹ جاتے تھے۔ اکثر علاقے کمائی سے خالی اور بھوک سے بھرے ہوئے تھے، بادشاہوں تک کی ہمّت نہیں تھی کہ اس ملک پر حکومت کریں۔ حکومت کرنے کے لیے بھی اخراجات کی ضرورت ہے۔ اس وقت نہ پٹرول تھا، نہ سونا، عرب کے کنارے پر قیصر و کسریٰ کی حکومتیں فوجی نظام رکھتی تھیں کہ عرب ان پر کسی وقت بھی چڑھائی نہ کردیں، ورنہ کوئی نظامِ حکومت پورے عرب بھر میں نہ تھا، تو جس ملک میں نظام چلانے کے لیے حکومتوں تک کی ہمّت نہ پڑتی ہو، اس ملک میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت کی۔ یہ جو مقامات تجارت و زراعت کے مراکز تھے وہ سب ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آئے، سوائے مدینہ پاک کے آدمیوں کے، سارے ملک کے خوش حال قبائل مخالف تھے، سارا عرب منتظر تھا کہ مکے والے اسلام لائیں تو ہم بھی لائیں، اور مکہ والوں نے آپؐ کی زندگی کے آخری دُور تک مقابلہ کیا۔ اب ایسے حالات میں جتنا کام ہوا تمام کا تمام مدینہ کی بستی سے ہوا، جہاں بھی کوئی ایمان لاتا، اسے مدینہ بلا لیا جاتا تو مدینہ ایسی بستی بن گیا جہاں لوگ خاندان اور برادریاں چھوڑ چھوڑ کر آ آ کر بستے رہے۔ اور جب قوم سے نکل کر آتے تھے تو اپنا مال بھی لے کر نہیں آسکتے تھے، مدینہ والوں کو ان کے رہنے، کھانے پینے کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اب یہ ایسی بستی بن گئی جہاں مہاجر اور مقامی برابر ہو گئے۔

آنے والوں میں کچھ تو تھے ہی فقیر، کچھ کے روزگار ٹوٹ گئے، کچھ کے اموال مقام والوں نے چھین لیے، غرضیکہ مدینہ میں آنے والے سب ہی فقیر بن کر آئے۔ ان فقیروں اور مدینہ کے انصار کو لے کر آپؐ نے دین کی محنت کا کام شروع کیا۔ باہر سے آنے والوں کو کاروبار کرنے سے نہیں روکا گیا، جب تک کمائی کی شکلیں وجود میں آئیں مقامیوں نے سب کی ضروریات مہیا کیں، غرضیکہ مدینہ میں بسنے والوں پر اتنا بوجھ پڑ گیا تھا اور ان کے حالات ایسے ہو گئے تھے کہ کم از کم دس سال تک اپنے کاروبار جمانے یا زیادہ اخراجات مہیا کرنے کے سبب ان کو کہیں باہر نہیں نکلنا چاہیئے تھا، کمائی والے نظام کا یہی تقاضا تھا، انصار پر چونکہ سب آنے والوں کا خرچ بھی پڑ گیا تھا اس لیے کھیتوں اور باغات کے کام میں بھی زیادہ انہماک کی،

اور زیادہ وقت لگانے کی ضرورت تھی تاکہ آنے والوں کے اخراجات پورے کرسکیں، کیونکہ مدینہ کے انصار کے بہت سے گھروں پر کئی کئی خاندان ٹھہرے ہوئے تھے، الغرض ان ضرورتوں کے اعتبار سے باہر نکلنے کا بالکل موقع نہیں تھا لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کو کمائی کی چھٹی دینے کے بجائے دین کی پوری محنت اسی دس سال میں کی اور کرائی اور دین کی محنت کا ایک نقشہ قائم کیا کہ انسانی زندگی میں جو تقاضے ہیں گھر والوں کی پرورش (دیکھ بھال)، مال و دولت کمانے کا عمل، ان دونوں عملوں کو بار بار چھڑا کر دین کی محنت کے عمل کو آگے بڑھایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسی تربیت دی کہ جس وقت اللہ کے راستے میں نکلنے کو کہا جائے اور جتنوں کو کہا جائے اور جہاں کے لیے کہا جائے سب تقاضوں کو چھوڑ کر نکل جائیں۔ یہاں تک کہ جن کو مغرب کے وقت نکلنے کو کہا، انھیں مدینہ میں سونے نہیں دیا۔ جس طرح پکے نمازی اذان کی آواز سن کر تمام کام چھوڑ کر نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح مدینہ والے خدا کے راستے میں نکلنے کی آواز پر کھڑے ہوجاتے تھے۔ جس وقت اللہ کے راستے میں ایمان و دین کے تقاضوں پر آواز لگتی، یہ آواز سودے خریدتے وقت سنیں یا دوکان کھولتے وقت کان میں آئے، یا خرید و فروخت کے انتہائی انہماک کے وقت سنی جائے، یہ آواز کھجور کے باغوں میں کھجوروں کے توڑنے کے وقت لگے نکاح ہونے کے وقت لگے یا رخصتی ہونے کے وقت لگے، عورتوں کے بچہ پیدا ہونے کے وقت لگے یا بیماری کے وقت لگے یا عزیزوں اور گھر والوں کی موت کے وقت لگے، اس کی مشق کر لی تھی کہ جس وقت آواز سنیں، سب چھوڑ چھاڑ کر نکل جائیں، جو پاس ہو لے لیں، جہاں ضرورت ہو چلے جائیں، جتنے وقت کا تقاضہ ہو وہاں گزاریں، جو جان پر بیتے اسے جھیلیں۔ یہ مزاج بن گیا تھا خدا کے راستے میں نکلنے والوں کا۔

مدینہ پاک کے دس سال کے قیام میں ڈیڑھ سو جماعتیں نکالیں جن میں سے پچیس سفروں میں آپ خود تشریف لے گئے۔ کسی میں دس ہزار آدمی نکلے، کسی میں پچاس ہزار نکلے، کسی میں تیس یا چالیس ہزار نکلے، کسی میں تین سو تیرہ نکلے، کسی میں دس کسی میں پندرہ، کسی میں سات یا آٹھ نکلے، مدت کے اعتبار سے کسی میں دو ماہ خرچ ہوئے، کسی میں تین ماہ، کسی میں بیس دن، کسی میں پندرہ دن خرچ ہوئے۔ بقیہ سوا سو جماعتیں نکالیں، ان میں بھی ہزار نکلے، پانچ سو اور

چھ سو بھی کم و بیش سب طرح کے نکلتے رہے، مدت بھی چھ ماہ چار ماہ سب طرح کا وقت لگا۔ اب حساب لگاؤ کہ ہر آدمی کے حصے میں باہر گذارنے کا کتنا وقت پڑا اور سال میں کتنے سفر کیے، اگر سب سفروں کو جوڑ کر تخمینہ کروگے تو سال میں چھ ماہ یا سات ماہ ہر آدمی کے حصہ میں آئیں گے۔ اب اس نقل و حرکت کی کوشش سے مختلف مقامات کے انسانوں کو مدینہ آنے کی دعوتیں ملیں کہ اسلام مدینہ میں آکر سیکھو۔ چوں کہ اسلامی زندگی ماحول سے آتے گی اس زندگی کا ماحول صرف مدینہ میں تھا تو باہر نکلنے والوں کو مدینہ منورہ کے قیام کے زمانے میں باہر سے آنے والوں کو دین سکھانا پڑتا تھا۔ پھر مدینہ والوں کو اپنے لیے بھی علم حاصل کرنے کے لیے وقت نکالنا پڑتا تھا۔ مدینہ میں قیام کے زمانہ میں مسجدوں کے لیے وقت مانگا جاتا تھا، تاکہ سیکھنے سکھانے کا نظام مسجدوں میں قائم رہے اور آنے والوں کو سنبھالا جاسکے۔

ان لوگوں نے روزانہ کی زندگی ایسی بنائی کہ اگر دو آدمیوں نے مل کر تجارت شروع کی تو باری لگالی، ایک ایک دن کی، کوئی کسی وقت، کوئی کسی وقت، کوئی کما کر پہنچ جاتا، کوئی شام کو پہنچا اور رات کو رہتا، عشاء بعد سے عبادت میں لگا رہتا، پھر سوتا، کچھ عشاء پڑھتے ہی سو جاتے اور پچھلے وقت میں تہجد ادا کرتے۔ اس طرح چوبیس گھنٹے مسجد میں مقامی مسلمان موجود رہتے۔ اب جو باہر سے جس وقت پہنچتے، آدمی مسجد میں ان کو سنبھالنے کو موجود ملتے، کبھی تعلیم کے حلقے ہو رہے ہیں تو آنے والوں کو اس میں بٹھاتے، نماز ہو رہی ہے تو اس میں شامل کر رہے ہیں۔ ذکر اذکار جس وقت ہو رہا ہے اس میں جوڑ رہے ہیں۔ اس طرح آنے والے بھی اپنے کو خالی کسی وقت نہیں سمجھیں گے۔

اب حساب لگاؤ چھ سات ماہ تو باہر خرچ ہوئے۔ مسجدوں کی باری میں بھی دو ڈھائی ماہ نکل گئے۔ اب دنیاوی ضرورتوں کے لیے کتنا وقت رہ گیا۔ ہر شخص کا وقت بیرونی نقل و حرکت میں بہت سا لگ گیا اور کافی وقت مدینہ آنے والوں کے سنبھالنے میں لگ گیا، ذرائع آمدنی تو عام حالات سے بھی کم ہوگئے اور اخراجات کئی گنا زیادہ بڑھ گئے۔ باہر کی نقل و حرکت کا خرچ، اپنا اور گھر والوں کا خرچ جو دوسرے باہر سے مدینہ میں آئیں تو ان کا خرچ جو مدینہ کے غرباء باہر نکل رہے ہیں ان کا سفر خرچ، سواری، لباس، کھانا، باہر والے خوش حال

آئیں، ان کی بھی دعوتیں کرنا، پھر جن علاقوں میں قحط ہوتا وہ بھی مدینہ پاک آتے، ان کی بھی مدد کرنا، غرضیکہ خرچ تو نقل و حرکت کے زمانے میں بھی اور قیام کے زمانہ میں بھی بہت بڑھ گیا اور کمائی کی شکلیں ٹوٹ گئیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ باہر بھی اور مقام پر بھی فاقے جھیلنے پڑے۔ سردی بھی سہنی پڑی، گرمی بھی برداشت کرنی پڑی۔ غرضیکہ ہر قسم کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر مقامی اور بیرونی خاکوں کو چلایا۔ تو جب ایمان کا کام کرنے والوں نے ایمان کے تقاضوں کو کمائیوں اور گھر کے تقاضوں پر مقدم کر دیا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے اس نقشہ سے خوش ہو کر تمام عرب کی بسنے والی قوموں کو اسلام میں داخل کر دیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی قربانی کی برکت سے ان تمام انسانوں کی تربیت ہوگئی جن کی تربیت کی حکومتوں کو بھی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ آپ ایسی حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے، جب سارا عرب اسلام سے منوّر ہو چکا تھا اور مدینہ کا ایک ایک گھر مال سے خالی ہو چکا تھا۔ پھر حق تعالیٰ شانہٗ نے قیامت تک آنے والوں کو یہ دکھانے کے لیے کہ اسلام ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی محنت سے پھیلا ہے۔

آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اکثر عرب قبائل کو پھر مرتد بنا دیا تاکہ قیامت تک کے آنے والوں کو پتہ چل جائے کہ جب بھی ہم اس محنت کو لے کر اٹھیں گے تو سارے عالم کے خاکے درست ہو جائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوتے ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منوّرہ کے مسلمانوں کو بیٹھنے نہیں دیا، بلکہ ایک دم سب کو خدا کے راستے میں نکال دیا۔ اسی بھوک اور پیاس میں، اسی غم کی حالت میں نکالا۔ یہاں تک کہ تین دن اور تین راتیں مدینہ پر ایسی گذریں کہ ہر وقت حملے کا خطرہ تھا اور مدینہ پاک بالغ مردوں سے گویا بالکل خالی تھا۔ اکثر تو ملکِ شام کے رُخ پر جیشِ اسامہؓ میں بھیجے گئے۔ بقیہ ڈیڑھ سو قرب و جوار میں نکلے، ظاہر کے اعتبار سے نکلنے کا موقع بالکل نہ تھا۔ محض حکم کی تعمیل کے جذبے سے نکلے۔ اللہ رب العزت نے اس محنت کی پوری دنیا کو قیمت دکھائی۔ ایک قلیل

عرصہ میں سارا عرب اسی نقشہ پر آگیا، ایک عرب گھرانہ بھی اسلام سے باہر نہیں رہا، اور اس میں صرف ایک ماہ لگا، صرف یہی نہیں کہ مسلمان بن گئے، بلکہ ایمان کی پوری محنت پر لوٹ آئے۔

تو اصل ایمان کی محنت کا نقشہ یہ ہے کہ ایسی فضا پیدا ہو جائے کہ جس کو جس وقت جہاں کے لیے کہا جائے، سب مشاغل چھوڑ کر راہِ خدا میں چلا جائے، اور جب باہر کے آدمی دین سیکھنے کے لیے اس کے مقام پر آئیں تو یہاں بھی ان کے ساتھ لگ جائے تو آپ آپ غور کیجئے کہ آج کی محنتوں میں اور اس محنت میں کتنا فرق ہے۔ تو اصل سمجھو اس نقشے کو اور یہ سمجھو کہ ہماری والی محنتیں ابتدائی ہیں اور ہمیں ان جیسی محنت کرنے والا بننا ہے پوری پوری جان لگانے والا بننا ہے۔

مختصر سی زندگی ہے، اس میں تھوڑا سا وقت ضروریات کے لیے کمانے پر لگائیں گے اور بقیہ تمام وقت دین کی محنت پر صرف کریں گے۔

اب ذہن میں یہ رکھیں کہ چوں کہ یہ قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضؓ کے اندرون سے نکلی ہے، اس لیے ان کے بدن اور روح کے انوار اس قربانی میں موجود ہیں، لہٰذا جتنی قربانیاں کام کرنے والوں میں بڑھیں گی اتنی ہی ہدایت حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے آئے گی۔

دین مالوں سے نہیں پھیلے گا، بلکہ دین کی محنت سے کمائیوں کے نقشے میں جو نقصانات اور کمیاں آئیں گی اس قربانی سے پھیلے گا، اور جب یہ قربانیاں کمال تک پہنچیں گی، تو ان قوموں کو آپ کے ذریعہ ہدایت ملے گی جو آسمان پر اڑ رہی ہیں اور ہم غریبوں کی طرف دیکھتی بھی نہیں، اور وہ مسلمان جو زندگی کے کسی شعبے میں اسلام کی بات سننے کو تیار نہیں، وہ اپنے تمام کاموں کو اسلام کے احکامات کے موافق بنا لے گا۔ اور آپ حضرات کی قربانیوں کا بدلہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حوضِ کوثر پر کھڑے ہو کر دلوائیں گے، جہاں آپؐ نے انصار سے ملنے اور ان کی قربانیوں کا صِلہ دلوانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ بشرطے کہ یہ طے کر لو کہ خدا جو کچھ ان محنتوں کے بعد دے گا وہ حاصل کر کے دوسروں کو دیں گے اور خود نہ لیں گے۔ ایسا کرنے میں حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی جھلک پائی جائے گی کیونکہ آپ قربانیوں کے دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھے اور جب نعمتیں ملنے کا وقت آیا تو آپ تشریف لے گئے۔

اس طرح جو حضرات اپنی جان ومال کی قربانی کریں گے اور دنیا میں جو کچھ لینا نہیں چاہیں گے اور صرف آخرت پر نگاہ رکھیں گے وہی حضرات آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

(ماخوذ از تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب رح صفحہ ۱۲۸)۔

بیان نمبر ۸

راہِ خدا میں نکلنے والے قافلوں کے لیے

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رح کی ہدایات

(تبلیغی اجتماعات کا پروگرام عموماً یہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک دو دن پورے زور وقوت کے ساتھ حاضرین کو اس کی دعوت اور ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ایمان ویقین اور ایمان والے اعمال اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے کچھ مدت کے لیے اپنے ماحول اور روزمرّہ کے مشاغل سے نکلیں اور دوسرے بندگانِ خدا کو بھی ان کی دعوت دینے کے لیے ایک خاص پروگرام کے مطابق وہ محنت ومجاہدہ کریں

اللہ کے جو بندے اس دعوت کو قبول کرلیتے ہیں ان کی جماعتیں ترتیب دے دی جاتی ہیں اور اجتماع کے اختتام پر ان کو ہدایات دے کر اور دعا کر کے رخصت کردیا جاتا ہے

اپریل ۶۲ء میں کلکتہ کے قریب نگراہاٹ میں ایک اجتماع ہوا تھا، راقم سطور بھی اس میں شریک تھا۔ پہلے دو دن کی دعوت وترغیب کے نتیجہ میں ایک ہزار سے کچھ اوپر بندگانِ خدا نے اپنے نام لکھائے جن کو قریباً سو جماعتوں میں تقسیم کردیا گیا۔ آخری دن حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رح نے جماعتوں کو رخصت کرتے وقت جو تقریر فرمائی تھی وہ اس عاجز نے اشارات میں قلمبند کرلی تھی۔ وہی ذیل میں درج کی جارہی ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ مضمون کی حد تک حضرت مولانا مرحوم کا ہے، لیکن الفاظ کے بارہ میں یہ بات نہیں کہی جاسکتی۔)۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد مولانا نے فرمایا:۔

آفتاب نورانی ہے، اس کے اندر نور ہے، وہ اپنے اس نور کے ساتھ جگمگاتا

ہے تو دنیا میں نور پھیلاتا ہے، اگر بجائے نورانی کے وہ خود ظلماتی ہوتا اور اس میں نور کے بجائے ظلمت ہوتی تو وہ دنیا میں ظلمت پھیلنے کا ذریعہ بنتا۔ آپ لوگ اپنے گھر چھوڑ کر نکل رہے ہیں اور دور قریب کی دنیا میں پھریں گے۔ اگر آپ میں نور ہوگا تو آپ کے ذریعہ نور پھیلے گا۔ اور اگر آپ کے اندر ظلمت ہوگی تو وہی ظلمت پھیلے گی۔ اس لیے آپ کو کوشش کرنی ہے کہ آپ کے اندر نور ہو اور آپ خود نورانی بنیں۔

کسی انسان کی ذات میں نور نہیں ہے، نور والے اعمال سے انسان میں نور آتا ہے اس لیے آپ لوگوں کو نور والے اعمال کرنے ہیں تاکہ آپ کے اندر نور آئے اور آپ کے ذریعہ نور پھیلے اور ظلمت والے اعمال سے اپنے آپ کو بچانا ہے تاکہ آپ ظلمت پھیلنے کا ذریعہ نہ بنیں۔

نور والے اعمال وہ محمدی اعمال ہیں جو اللہ کی رضا کے لیے کیے جائیں، ان اعمال کو اتنی کثرت سے اور تسلسل اور یکسوئی کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے کہ آپ ان کے نورانی رنگ میں رنگے جائیں۔ وہ نورانی اعمال یہ ہیں:۔

(۱) اخلاص کے ساتھ ایمان و یقین حاصل کرنے کی دعوت جو انبیاء علیہم السلام کی خاص میراث اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی ہے۔

(۲) نماز اور جملہ عبادات جس میں ذکر و تلاوت، دعا و استغفار سب شامل ہیں۔

(۳) علم میں مشغولیت، خاص کر وہ علم جس میں انسانوں کے اعمال و افعال کے آخرت میں ظاہر ہونے والے نتائج کا بیان ہو یعنی ترغیب و ترہیب۔

(۴) اچھے اخلاق جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے اور جن کی آپ نے تعلیم دی، جس کا خلاصہ اور حاصل ہے اللہ کی رضا کے لیے اس کی مخلوق کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ۔

یہ ہیں وہ نورانی اعمال جن کے مسلسل اور کثرت سے کرنے سے نور پیدا ہوتا ہے، اور زندگی نورانی بنتی ہے، آپ کو انہی اعمال میں مشغول رہتے ہوئے پھرنا ہے۔

یاد رکھیے آپ صرف اپنے گھر، اپنے گھر والوں، اور اپنے خاص ماحول کو چھوڑ کر جا رہے

ہیں نفس اور شیطان کو چھوڑ کر نہیں جا رہے ہیں۔ یہ دونوں دشمن ہر قدم پر اور دن رات آپ کے ساتھ رہیں گے۔ آپ کی بری عادتیں بھی آپ کے ساتھ جا رہی ہیں، یہ سب چیزیں آپ کو ان اعمال کی طرف کھینچیں گی جن سے آپ میں ظلمت آئے اور آپ خدا سے دور اور اس کی رضا سے محروم ہوں، آپ ان دشمنوں کے شر سے صرف اس طرح بچ سکتے ہیں کہ اس بات کا پورا اہتمام کریں کہ سونے کے چھ سات گھنٹوں کے علاوہ دن رات کے تمام اوقات میں اپنے کو ان نورانی اعمال میں مشغول رکھیں، یا آپ ایمان کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت دیتے ہوں، یا نماز اور ذکر و تلاوت وغیرہ کسی عبادت میں مشغول ہوں، یا تعلیم اور تعلم میں لگے ہوں، یا کوئی خدمت والا کام انجام دے رہے ہوں۔

نفس اور شیطان کے شر سے بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ آپ کا وقت ان کاموں سے فارغ اور خالی نہ ہو۔

"خانہ خالی را دیو می گیرند"

پھر یہ اعمال بھی نور حاصل ہونے کا ذریعہ اسی صورت میں بنیں گے جب کہ صرف اللہ کی رضا کے لیے اور آخرت کے ثواب پر نگاہ رکھتے ہوئے کیے جائیں۔ اگر خدانخواستہ نیت خالص نہ رہی تو یہی اعمال جہنم میں کھینچ لے جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں سب سے پہلے تین آدمیوں کے بارہ میں جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا اور جہنم میں سب سے پہلے انھیں کو جھونکا جائے گا، ان میں ایک وہ عالم دین اور عالم قرآن ہوگا جو عمر بھر قرآن سیکھنے، سکھانے میں مشغول رہا۔ دوسرا ایک دولتمند سخی ہوگا جس کو دنیا میں اللہ نے خوب دولت سے نوازا تھا اور وہ اللہ کی دی ہوئی دولت نیکی کے کاموں میں خوب کشادہ دستی سے خرچ کرتا تھا، اور تیسرا شخص ایک شہید ہوگا جو جہاد کے میدان میں دشمن کی تلواروں سے شہید ہوا ہوگا۔

لیکن ان تینوں آدمیوں نے یہ اعمال خالصاً لوجہ اللہ نہیں کیے تھے بلکہ دنیا میں ناموری اور شہرت و عزت حاصل کرنے کے لیے کیے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت

کے دن جب یہ تینوں قسم کے آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہم دلوں اور نیتوں کا حال جانتے ہیں، تم لوگوں نے یہ اچھے اور نورانی اعمال ہماری رضا کے لیے نہیں کیے تھے، بلکہ دنیا میں ناموری اور شہرت کے لیے کیے تھے اور یہ چیز تمہیں دنیا میں مل چکی، اب تمہارے لیے یہاں کچھ نہیں۔ اس کے بعد ان کو ان کے انہی اعمال کی وجہ سے گھسیٹ کر جہنم میں پھنکوا دیا جائے گا، بلکہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ پہلے وہ جہنمی ہوں گے جن کے لیے سب سے پہلے جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (العیاذ باللہ)۔

سوچیے تو کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو روایت فرماتے تو کبھی کبھی مارے خوف کے ان کی چیخیں نکل جاتیں اور ان پر بیہوشی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔

اور ایک دفعہ جب کسی تابعی نے یہی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے نقل کی تو حضرت امیر معاویہ رض اتنے روئے کہ لوگوں کو ان کی جان کا خطرہ ہوگیا۔ بہت دیر کے بعد ان کی حالت ٹھیک ہوئی، اور انھوں نے فرمایا:

صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سچ فرمایا ہے، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے بالکل صحیح پہنچایا ہے کہ "جو کوئی اپنے اعمال سے دنیا اور دنیا کی زیب و زینت چاہے گا، اس کو اس کے اعمال کا پورا نتیجہ دنیا میں ہم دیدیں گے اور ان کے لیے اس میں بالکل کمی نہیں کی جائے گی۔ ان لوگوں کے لیے آخرت میں سوائے دوزخ کی آگ کے اور کچھ نہ ہوگا، اور جو عمل انہوں نے کیے تھے وہ ضائع جائیں گے اور بے کار ولاحاصل ہوں گے ان کے اعمال۔"

بہرحال نورانی اعمال نور پیدا کرنے کا ذریعہ اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جب کہ

وہ خالصًا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اور آخرت کے لیے کیے جائیں، اس لیے آپ کو ایک طرف تو اپنے تمام اوقات انہی اعمال میں مشغول رکھنے ہیں اور دوسری طرف اس کا بھی اہتمام کرنا ہے کہ نیت صحیح رہے۔ جب کسی بندے کو اچھے عمل سے ہٹا نہیں سکتا تو اس کی نیت میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

اللہ والے عمل اگر غیر اللہ کے لیے کیے جائیں تو ان میں اللہ والی نسبت نہیں رہتی۔ اور اگر اللہ کی رضا کے لیے وہ اعمال کیے جائیں جو درحقیقت رضا والے اعمال نہیں ہیں تو ان میں اللہ کی نسبت نہیں آتی اور وہ رضائے الٰہی کا وسیلہ نہیں بنتے اس لیے دونوں کوششیں ضروری ہیں۔

ایک اللہ کی رضا والے اعمال میں مشغولیت، ہمہ دم ایسی مشغولیت کہ ان کا رنگ چڑھ جائے۔

اور نیت کی صحت کا اہتمام جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل سے مقصد اللہ کی رضا ہو، ساری کامیابی بس اللہ کی رضا میں ہے اور اس کی ناراضی میں تمام ناکامی اور نامرادی ہے۔

میں بتا چکا ہوں کہ اس نکلنے کے زمانہ میں بس چار کاموں میں اپنے آپ کو مشغول رکھنا ہے۔ سب سے پہلی چیز ہے ایمان ویقین کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت۔ اس دعوت کے لیے عمومی گشت ہوں گے، خصوصی گشت ہوں گے جن کے اصول وآداب گشت کے لیے نکلتے وقت بتلائے جائیں گے۔ ان کو دھیان سے سنا جائے۔ پھر جب آپ دعوت کے لیے گلیوں اور بازاروں میں نکلیں گے تو شیطان آپ کو وہاں کے نقشوں کی طرف متوجہ کرے گا۔ اس لیے سب سے پہلے دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ شیطان ونفس کے شر سے بچائے اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی توفیق دے، پورے گشت میں اس کا اہتمام رہے کہ بس اللہ کے جلال اور جمال پر اور اس کی صفاتِ عالیہ پر نظر رہے، نگاہیں نیچی رہیں اور اپنا مقصد نگاہ کے سامنے رہے،

جس طرح جب کسی مریض کو اسپتال لے کر جاتے ہیں تو خود مریض اور اس کے ساتھی اسپتال کی عالی شان عمارتوں کو اور وہاں کے نقشوں کو دل چسپی سے نہیں دیکھتے، بلکہ ان کے

سامنے بس مریض کا علاج ہوتا ہے۔

خصوصی گشت میں اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب جن سے آپ ملنے گئے ہیں، اس وقت توجہ سے بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں تو مناسب طریقہ سے جلدی بات ختم کرکے ان کے پاس سے اُٹھ آنا چاہیئے، اور ان کے لیے دعا کرنی چاہیئے۔ اور اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب متوجہ ہیں تو پھر پوری بات ان کے سامنے رکھنی چاہیئے اور وقت فارغ کرنے کے لیے بھی کہنا چاہیئے۔

خصوصی گشت میں جب دینی اکابر کی خدمت میں حاضری ہو تو ان سے صرف دعا کی درخواست کی جائے، اور ان کی توجہ دیکھی جائے تو کام کا کچھ ذکر کر دیا جائے۔ عمومی گشت کرکے لوگوں کو مسجد میں جمع کیا جائے اور ان کے سامنے ایمان و یقین، نماز، ذکر اللہ، علم دین، اخلاق اور دینی جدوجہد کی بات رکھی جائے اور تشکیل کی کوشش کی جائے، پھر تشکیل کرکے مطمئن نہ ہو جائیں بلکہ جن لوگوں نے وعدے کیے ہیں اور نام لکھوائے ہیں ان کو اللہ کے راستہ میں نکال دینے کی اور وعدوں کو عمل میں لے آنے کی پوری کوشش کریں اور اپنے امکان بھر اس کا انتظام کریں کہ ان کا وقت اچھی طرح گذرے۔

جو لوگ اس وقت نکلنے کا فیصلہ نہ کر سکیں، ان کو مقامی گشت، مقامی اجتماع، تعلیم، نماز، ذکر کی پابندی پر آمادہ کیا جائے اور ان کاموں کا نظام بنا دیا جائے۔

جب دعوت کے سلسلہ کی یہ ساری محنت کر چکیں تو اس کسان کی طرح جو زمین میں بیج بکھیر دیتا ہے اور پھر اللہ سے لو لگاتا ہے پورے الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، وہی مقلب القلوب ہے، وہی جس کو چاہے ایمان اور ایمان والے اعمال دیتا ہے اور جس کے لیے نہیں چاہتا اس کو محروم رکھتا ہے۔

دعوت کے بعد دوسرا کام تعلیم کا ہے، جب تعلیم کے لیے بیٹھیں تو ادب سے بیٹھیں، دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علم کی عظمت سے دبا ہوا ہو، فضائل کا مذاکرہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمائی ہوئی دعائیں یاد کی جائیں۔

جو وقت دعوت اور تعلیم سے خالی ہو اور کوئی دوسرا ضروری کام بھی اس وقت نہ ہو

اس میں نوافل پڑھی جائیں، یا قرآن مجید کی تلاوت کی جائے یا ذکر و تسبیح میں مشغول کیا جائے، یا اللہ کے کسی بندہ کی خدمت کی جائے۔

جس طرح نماز میں آدمی یا قیام میں ہوتا ہے یا رکوع میں یا سجدہ میں یا قعدہ میں، اسی طرح اللہ کے راستے میں نکلنے کے بعد آدمی یا دعوت میں لگا ہو، یا تعلیم و تعلم میں، یا ذکر و عبادت میں، یا اللہ کی کسی مخلوق کی خدمت میں --- یہ چار کام اس پورے زمانہ میں بطور اصل مقصد کے کیے جائیں گے اور اتنے کیے جائیں گے کہ یہی عادت و مزاج بن جائے۔ یہ اجتماعی بھی کیے جائیں گے اور انفرادی بھی۔ اجتماعی سے مطلب وہ ہے جو جماعتی نظام کے تحت ہو جیسے خصوصی گشت اور عمومی گشت میں دعوت اور جماعت کی تعلیم کے وقت میں تعلیم اور جماعت کے ساتھ فرض نمازیں اور ان کے آگے پیچھے کی سنتیں اور جماعتی تقسیم کار کے مطابق کھانے وغیرہ کے انتظامات کی دوڑ دھوپ، یہ سب اعمال اجتماعی ہیں، انفرادی دعوت یا انفرادی تعلیم، انفرادی عبادت، انفرادی خدمت وہ ہوگی جو جماعتی پروگرام کے علاوہ کوئی شخص اپنے اس خالی وقت میں کرے جس میں کوئی اجتماعی کام نہیں ہے، مثلاً دوپہر کے کھانے کے بعد ظہر تک کوئی جماعتی کام دعوت یا تعلیم وغیرہ نہیں ہے، ہر شخص کو اجازت ہے کہ وہ اس میں آرام کرے۔

اب اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے اس وقت میں آرام کرنے کے بجائے کسی شخص کے پاس جا کر دعوت ایمان کی باتیں کرے یا کسی اللہ کے بندہ کو کوئی دعا یاد کرائے، یا اس کی نماز صحیح کرائے یا مسجد کے کسی کونے میں کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے لگے یا کسی ساتھی کی کوئی خدمت کرنے لگے تو یہ سب صورتیں انفرادی عمل کی ہوں گی۔

بہرحال اللہ کے راستہ میں نکلنے کے زمانہ میں یہ چار کام اصل مقصد کے طور پر کیے جائیں اور حاجات بشری کے علاوہ اپنے کُل اوقات ان ہی کاموں میں مشغول رکھے جائیں، اس لیے کہ ان کے ذریعہ زندگی میں نور آئے گا اور پھر انشاء اللہ وہ نور متعدی ہوگا اور پھیلے گا

ان چار کاموں کے علاوہ چار ہی کام ناگزیر ضرورت کے طور پر کیے جائیں گے اور صرف بقدر ضرورت ہی کیے جائیں گے۔ وہ چار یہ ہیں:-

(۱) کھانا، پینا۔ (۲) قضائے حاجت۔ (۳) سونا۔ (۴) باہم بات چیت کرنا۔

یہ ناگزیر ضرورتیں ہیں، ان کو بس اتنا ہی وقت دیا جائے جتنا ضروری اور ناگزیر ہو۔ سونے کے لیے دن رات میں بس چھ گھنٹے کافی ہیں۔

چار باتیں وہ ہیں جن سے پورے اہتمام کے ساتھ بچا جائے:۔

(۱) کسی سے سوال نہ کیا جائے بلکہ کسی کے سامنے اپنی کوئی ضرورت ظاہر بھی نہ کی جائے یہ بھی ایک طرح کا سوال ہی ہے۔

(۲) اشراف سے بھی بچا جائے۔ اشراف یہ ہے کہ زبان سے تو سوال نہ کرے، لیکن دل میں کسی بندہ سے کچھ حاصل ہونے کی طمع ہو، گویا بجائے زبان کے دل میں سوال ہو۔

(۳) اسراف سے بچا جائے، اسراف یعنی فضول خرچی ہر حال میں معیوب اور مضر ہے لیکن اللہ کے راستے میں نکلنے کے زمانہ میں اس کے نتیجے اپنے حق میں بھی بہت برے ہوتے ہیں اور دوسرے ساتھیوں کے حق میں بھی۔

(۴) بغیر اجازت کسی ساتھی کی بھی کوئی چیز استعمال نہ کی جائے، بعض اوقات دوسرے آدمی کو اس سے بڑی ایذا پہونچتی ہے، شرعاً یہ قطعاً حرام ہے، ہاں اجازت لے کر استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

بس یہی ضروری باتیں جن کی پابندی اس راستہ میں نکلنے والوں کے لیے ضروری ہے۔ آپ لوگوں کے چوبیس گھنٹے ان پابندیوں کے ساتھ گذرنے چاہئیں، ان اعمال کی پوری پابندی کرتے ہوئے آپ اللہ کی زمین میں اور اللہ کی مخلوق میں پھریں اور اپنے لیے اور پوری امت مسلمہ کے لیے اور عام انسانوں کے لیے اللہ سے ہدایت مانگیے۔ بس یہی آپ کا عمل اور آپ کا وظیفہ ہے، اگر آپ نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ جو ارحم الراحمین ہے ہرگز محروم نہیں رکھے گا۔

(ماخوذ از تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحبؒ ص۱۷۵)

بیان نمبر ۹

صحابہ کرامؓ کی محنت سے سارے عالم میں اسلام پھیلا

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ایک اہم تقریر

(دہلی اور سیلون کے دوستوں سے خطاب)

بزرگو اور دوستو!

یوں سمجھیے ایک محنت ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک خاص نقشے کے ساتھ کی ہے۔ ہم بھی چاہتے ہیں کہ ہم اس محنت کے طریقے سیکھیں۔ اور الحمد للہ دوستوں نے متفرق ملکوں میں کچھ کچھ اس کو سیکھنا شروع بھی کر دیا ہے، لیکن کسی جگہ کی محنت انتہا کو پہنچی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ مختلف درجوں میں ہے۔ اگر ہر جگہ کی محنت کرنے والے یوں سمجھیں کہ پوری محنت یہی ہے اور اس کی شکل بھی یہی ہے تو محنت کی اصلی شکل پر کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔ جو بھی محنت کرے وہ یوں سمجھے کہ میں جو محنت کر رہا ہوں یہ ابتدائی محنت ہے، اور مجھے محنت کرتے کرتے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کے نقشے پر پہنچنا ہے، اب جب وہ اسی محنت کو اصل جانیں گے تو انسان سمجھے گا کہ اس کے مقابلے میں یہ محنت چھوٹی سی ہے، اصل نہیں ہے۔ اگر وہ اصل محنت سامنے ہو تو پھر انسان سمجھے گا کہ میری محنت اس کے مقابلہ میں بہت چھوٹی ہے، لہٰذا اصلی محنت پر پہنچنا ہے۔ اس محنت کو سامنے رکھے اور نیت کرے اور سوچے کہ مجھے ترقی کرکے اصل محنت تک پہنچنا ہے۔

اب ایک طرف تو یہ سوچنا ہے کہ اس محنت کا فائدہ کیا ہے اور دوسری طرف یہ سمجھنا ہے کہ محنت کیا ہے؟ اس محنت کا فائدہ تو یہ ہے کہ محنت کرنے والوں کو اور

دوسروں کو ہدایت مل جائے، کیوں کہ لوگ دین پر اتنا چلیں گے اور دین کو اتنا قبول کریں گے جتنا خدا کی طرف سے ہدایت ملے گی۔ اور خدا کی طرف سے ہدایت اتنی ملے گی جتنی محنت کی سطح بلند ہوتی جائے گی۔ اگر یہ محنت ختم ہو جاتی ہے تو مسلمان سے ہدایت نکلنی شروع ہو جاتی ہے، پہلے کاروبار میں سے ہدایت نکلتی ہے، یعنی لوگ کاروبار میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے چھوڑ کر دوسرے طریقے اختیار کرتے ہیں، پھر نکلتے نکلتے سارے فرائض نکل جاتے ہیں اور برائیاں داخل ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ مسلمان دین سے نکل جاتے ہیں۔ اور اگر پھر بھی محنت کی توجہ نہ ہو تو اسلام نکل کر کفر آ جاتا ہے۔ اور جب یہ محنت شروع کردی جاتی ہے تو خدا کی طرف سے ہدایت آنی شروع ہو جاتی ہے۔ پھر جس درجہ محنت بلند ہوتی جائے گی، ہدایت عام ہوتی جائے گی۔ اور لوگوں کو ہدایت ملتی جائے گی۔

ہدایت کی ایک سطح تو یہ ہے کہ لوگ نماز پڑھنے لگیں، زکوٰۃ دینے لگیں، روزے رکھنے لگیں، حج کرنے لگیں۔ دوسری یہ ہے کہ اپنی کمائیوں اور اخراجات کو دین کے مطابق کرنے لگیں، اور ان کو شریعت کے نقشے کے مطابق لے آئیں۔ اور اس سے اگلی سطح یہ ہے کہ غیر مسلموں کو خدا ہدایت فرما دیں۔ محنت کے بقدر ہدایت آئے گی، اور ہدایت کے بقدر دین زندہ ہوگا۔ ہدایت خدا کی طرف سے محنت کی بقدر آئے گی۔ اب ہم جو یہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان دین پر نہیں چل رہا ہے اور دین سے نکل کر کفر و شرک اور ضلالت میں جا رہا ہے اور اسلام سے نکل کر دوسرے باطل مذہب اختیار کر رہا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ دین کے لیے محنت نکل چکی۔ اب جتنی جہاں لوگوں نے محنت شروع کردی اتنی ہی خدا نے ہدایت دینی شروع کردی۔ اور بقدر ہدایت دین زندہ ہونے لگا۔ بہت سی جگہ نماز نہیں تھی، نماز پڑھی جانے لگی، روزے نہیں تھے، روزے رکھے جانے لگے، حج نہیں تھا، حج کیا جانے لگا، تعلیم نہیں تھی، تعلیم کرنے لگے، لیکن ہدایت ابھی اس سطح کی نہیں ملی کہ کمائیوں کے اندر کے احکام پورے ہونے لگے، اور کھانے پینے، مکان بنانے میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم والی راہ اور طریقہ کو اختیار کریں تو ابھی ہم مسلمان بھی

اس کے محتاج ہیں کہ محنت کی سطح بلند ہو تاکہ پوری زندگی دین اسلام پر چلنے کی ہدایت ملے، اور غیر مسلموں کو بھی دین سمجھنے کی ہدایت ملے۔ ہم مسلمان بھی محتاج ہیں کہ ہدایت اس درجہ کی مل جائے کہ ہم پورے دین پر عمل کرنے والے بنیں اور یہ کہ غیر مسلموں کو بھی خدا ہدایت دے۔

اب اس محنت میں دو محنتیں ہیں۔ ایک تو مقدار میں محنت کو بڑھانا، دوسرے جو لوگ محنت کر رہے ہیں ان کی محنتوں کا صحیح شکل پر پڑنا۔ اب یہ دو علٰحدہ علٰحدہ لائنیں ہیں اگر ہزاروں لاکھوں آدمی محنت کرنے والے بن جائیں، لیکن تھوڑی تھوڑی کریں تو ہدایت بھی تھوڑی تھوڑی آئے گی اور اگر خدا ایسی صورت کردے جو تھوڑی محنت کر رہے ہیں وہی محنت کی مقدار کو بڑھا دیں تو مسلمانوں کو بھی ہدایت ملے گی اور غیر مسلموں کو بھی۔

ابھی تک ہماری محنت کی نوعیت یہ ہے کہ مشغول آدمی محنت کے لیے تھوڑا تھوڑا وقت اس انداز سے نکالتے ہیں کہ ان کی کمائیوں کے نقشے میں فرق نہ پڑے۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے باطل طریقوں کے پھیلنے کے لیے تو مال کے نقشے دیئے ہیں، یعنی حکومت تجارت، سامان وغیرہ۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو طریقے ہیں، ان کے لیے ساتھیوں سے قربانیاں دلوائیں تو محنت کرنے والوں میں جتنی ان کی والی قربانیاں کرنے والے پیدا ہونگے تو ان کی محنت کی سطح بلند ہوگی۔

اب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محنت کی سطح بتلاتا ہوں، جس سے اگرچہ ہم ابھی تک بہت دور ہیں، لیکن اگر ہم اس کو سامنے رکھ کر چلتے رہیں تو اللہ رب العزت ہمیں کسی وقت وہاں پہنچا دیں گے۔ ہر کام کرنے والے کو محنت کے اس آخری نقشے کو سامنے رکھ کر وہاں تک محنت کرنی چاہیئے۔ یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ عرب میں جو اسلام پھیلا ہے وہ مدینہ منورہ والوں کی محنت سے پھیلا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے عرب کا رقبہ ہندوستان سے اگر بڑا نہیں تھا تو چھوٹا بھی نہیں تھا، اگرچہ آبادی کے اعتبار سے ہندوستان کے برابر نہیں تھا۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں اس وقت کمائی کی جتنی شکلیں نکلی ہوئی تھیں وہ اس عرب کے علاقہ میں نہیں تھا۔ سارے عرب میں کوئی حکومت نہیں تھی، جس کے دفاتر اور شعبے قائم ہوں۔ اس زمانہ میں حاجیوں سے

لوگ وصول نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنے گھر سے کھلاتے تھے۔ لہٰذا حج کے شعبے میں بھی کمائی کا کوئی شعبہ نہیں تھا، کھیتیاں بھی پورے ملک میں نہیں تھیں، باغات بھی نہیں تھے، کہیں کہیں کسی علاقہ میں کھجور انگور وغیرہ کے باغات پائے جاتے تھے مگر اکثر علاقہ اس سے خالی تھا مختلف مراکز تھے، جہاں چھوٹے پیمانہ پر تجارت ہوتی تھی لیکن سارا ملک عام طور پر تجارتی نہیں تھا۔ یہ سارا عرب بھوکا پیاسا عرب تھا، سارے عربوں کے پاس نہ پہننے کے لیے کپڑے تھے، نہ رہنے کے لیے مکان تھے، نہ پورے عرب کے اندر زندگی گذارنے کے لیے پانی تھا، بھوک کی شدت میں کیڑے اور سانپ بھی کھا جاتے تھے، یہاں تک کہ اگر کسی جگہ خون پڑا ہوا مل جاتا تو بغیر تحقیق کے کہ کس چیز کا ہے اور کس جگہ کا ہے چاٹ جایا کرتے تھے، اکثر علاقہ کمائی سے خالی اور بھوک سے بھرا تھا، کہیں کہیں تھوڑی تھوڑی تجارت تھی۔ بڑی حکومتوں تک کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اس ملک پر حکومت کریں، کیونکہ حکومت کرنے کے لیے بھی حکومتیں یوں سوچتی تھیں کہ ایسے علاقہ میں حکومت ہو جہاں سے آمدنی ہو، اس زمانہ میں نہ پٹرول ظاہر ہوا تھا نہ سونا نکالا جاتا تھا۔

عرب کے مختلف کناروں پر دوسری حکومتیں اپنا فوجی نظام رکھتی تھیں، تاکہ یہ حملہ نہ کردیں، تو جس علاقہ میں اپنا نظام چلانے کی حکومتوں تک کی ہمت نہ ہو، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علاقے میں محنت کی۔ اور جتنے مراکز تھے کھیتوں، تجارتوں، باغات اور کمائیوں کے وہ مخالف تھے، سارا عرب انتظار کر رہا تھا کہ جس دن مکہ مسلمان ہوگا، اسی دن ہم مسلمان ہوں گے۔ اس جگہ جتنا کام ہوا ہے سارا مدینہ منورہ کی بستی سے ہوا ہے اور مکہ والوں نے آخر تک مقابلہ کیا۔ جہاں کوئی کوئی کہیں کہیں مسلمان ہوتا تھا، اس کو کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر مدینہ منورہ پہونچ جائے،

لہٰذا مدینہ منورہ ایسی بستی بن گیا جہاں لوگ گھر اور مکان چھوڑ کر آتے تھے، اور اس طرح سے نکل کر آتے تھے کہ پورا مال لے کر نہیں آسکتے تھے۔ لہٰذا مدینہ منورہ کے رہنے والے انصارؓ کو ان سب کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اب مدینہ منورہ ایسی بستی بن گئی کہ جتنے مقامی لوگ تھے، اتنے ہی باہر کے آکر بس گئے۔ ان میں بہت سے تو ایسے آئے کہ جن کے گھر میں کچھ تھا ہی نہیں۔ گویا فقیر آکر سر پڑ گئے۔ اور بہت سے وہ آئے جن کی کمائیاں ہوتی تھیں، ان کی کمائیاں چھوٹ گئیں اور یہاں فقیر بن گئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فقیروں اور مدینہ منورہ والوں کو ساتھ لے کر محنت کی۔ ان باہر سے آنے والے فقیر لوگوں کو کمائی سے روکا نہیں بلکہ تجارت میں لگایا۔ لیکن جب تک ان کی کمائی کی شکلیں وجود میں آئیں اس وقت تک مقامیوں سے ان کی سب ضروریات پوری کرائیں، ان کو کھانا کپڑا وغیرہ سب کچھ دلوایا۔ اب کمائی کے اعتبار سے ابتدائی دس سال کاروبار کرنے کے تھے اور تقاضا یہ تھا کہ مدینہ منورہ چھوڑ کر کہیں باہر نہ جائیں،

اور چونکہ سب کا خرچ انصار پر پڑ گیا تھا تو ان کے کھیتوں کا بھی تقاضا یہ تھا کہ وہ زیادہ وقت اس میں لگائیں۔ اور زیادہ کمائی کر کے خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں۔ اس لیے کہ مدینہ منورہ کے ہر گھر پر کئی کئی گھروں کے خرچ پڑ گئے تھے، لہٰذا کمائی کے اعتبار سے کہیں جانے کا موقع بالکل نہیں تھا۔ لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ والوں کو چھٹی دینے کی بجائے محنت ان دس سالوں میں کرائی۔ محنت کا ایک ایسا نقشہ پیدا کیا کہ انسان کی ضرورت کے دونوں عمل یعنی کمائی کرنا اور بچوں کا پالنا ان دونوں کو نیچے رکھا اور دین کے عمل کو بڑھایا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسی تربیت دی کہ ان کو جس وقت اللہ کے راستہ میں نکلنے کو کہا جاتا اور جتنوں کو کہا جاتا اور جہاں کو کہا جاتا سب چھوڑ کر نکل جاتے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مغرب کے بعد نکلنے کو تیار ہوئے، تو ان کو رات مدینہ منورہ میں سونے نہیں دیا، بلکہ باہر نکال دیا اور انہوں نے باہر جنگل میں رات گذاری۔ جس طرح پکے نمازی ہر کام کو اذان کی آواز پر چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اسی طرح مدینہ منورہ والے نکلنے کی آواز جب بھی ان کو دین کی آواز لگتی تھی، فوراً کھڑے ہو جاتے تھے اور چھوڑ کر چلے جاتے تھے، خواہ وہ سودا خریدنے کے وقت لگے یا سودا بیچنے کے وقت لگے یا دوکان کھولنے کے وقت یا کھیتوں میں بیج ڈالنے کے وقت یا باغوں میں کھجوریں اتارنے کے وقت لگے یا کسی کے مرنے کے وقت لگے، خواہ وہ آواز رخصتی اور نکاح کے وقت لگے، خواہ بیماری کے وقت لگے، خواہ وہ آواز بچے کے پیدا

ہونے کے وقت لگے یا مرنے کے وقت۔ غرض جس وقت وہ آواز لگے فوراً چھوڑ کر نکل جاؤ، جو کچھ پاس ہو لے لو، جتنی دور کہیں چلے جاؤ، اور جتنے دن کہیں گذارو، اور جو کچھ تمہاری جان پر پڑے برداشت کرو، یہ مزاج بن گیا نکلنے کا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال میں ڈیڑھ سو جماعتیں نکالیں

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال کے اندر ڈیڑھ سو جماعتیں نکالیں، جن میں پچیس ۲۵ سفر وہ ہیں جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لے گئے، کسی میں دس ہزار نکلے، کسی میں پانچ سو، کسی میں ہزار، کسی میں تیس یا چالیس ہزار، کسی کے اندر تین سو تیرہ۔ کسی کے اندر صرف دس یا پندرہ ہی گئے۔ کسی میں سات اور کسی میں آٹھ نکلے، کسی میں دو مہینے کسی میں تین مہینے، کسی پر بیس دن، کسی پر پندرہ دن خرچ ہوئے۔ اپنے علاوہ جو سوا سو جماعتیں نکالیں، ان میں ہزار بھی نکلے، پانچ سو بھی نکلے، چھ سو اور کم و بیش اسی طرح نکلے چھ چھ ماہ کے لیے بھی اور کم وقت کے لیے بھی نکلے۔ اب تم حساب لگاؤ کہ ایک ایک آدمی کے حصے میں سال کے اندر کتنے سفر آئے۔ اگر تم حساب لگاؤ گے تو ہر ایک آدمی کے حساب میں چھ یا سات ماہ نکلیں گے۔

اب اس کے بعد یہ نقل و حرکت ہوئی۔ پھر جدھر یہ نقل و حرکت کرتے تھے، ان سے کہتے تھے کہ جب تم اسلام لے آئے ہو تو اسلام مدینہ منورہ میں آکر سیکھو، کیونکہ اسلامی زندگی ماحول سے بنے گی، اور اسلامی زندگی کا ماحول صرف مدینہ منورہ میں تھا، اب اسلام کے لیے اور دوسروں کو اسلام سکھانے کے لیے وقت اور علم کی ضرورت ہے۔ اس لیے مدینہ میں اقامت کے زمانہ میں ان کے اوقات مسجد کے لیے لگے، لہٰذا انہوں نے روزانہ کی زندگی ایسی بنائی کہ اگر دو آدمیوں نے تجارت شروع کی، جیسے حضرت عمرؓ اور ایک انصاری نے تجارت شروع کی تو پابندی لگائی کہ ایک دن ایک کام کرے اور دوسرا دین کی محنت کے لیے مسجد میں وقت لگائے، دن کا کچھ حصہ مسجد میں کچھ کمائی میں، کوئی کچھ صبح کا وقت دیتا ہے پھر کماتا ہے، کوئی تھوڑا کر جاتا ہے، کوئی صبح کا دیتا ہے، کوئی ظہر کا کوئی عصر اور مغرب

کے درمیان، کوئی مغرب اور عشاء کے درمیان کا، کوئی عشاء کے بعد تہجّد پڑھتا ہے اور کوئی عشاء کے بعد سوتا ہے، اور رات میں تہجد پڑھتا ہے۔ تو چوبیس گھنٹے مسجد میں مقامی آدمی موجود ہیں۔ اب جو باہر والے آتے ہیں، چاہے جس وقت پہونچیں مقامی آدمی ان کے سنبھالنے کے لیے ملتے ہیں، کبھی تعلیموں میں ہوں تو ان کو تعلیم میں بٹھائیں گے۔ نمازوں میں ہوں گے تو ان کو نمازوں میں لگائیں گے۔ کبھی تسبیحات میں ہوں گے تو تسبیحات میں لگائیں گے۔ غرض کوئی آنے والا بھی خالی نہ رہے گا۔ اب یہ حساب لگاؤ کہ سات ماہ باہر نکل گئے، ڈیڑھ دو ماہ مسجد میں نکل گئے، تو کمائی کے لیے وقت کتنا رہا۔ ہر شخص کا بیرونی نقل و حرکت میں وقت لگ گیا۔ باقی باہر سے آنیوالوں کو سنبھالنے میں لگ گیا۔ کمائی تو کم، اخراجات بے انتہا بڑھ گئے۔ باہر کی نقل و حرکت کا اپنا خرچہ اٹھاؤ، جو دوسرے نقل و حرکت والے غریب نکل رہے ہیں، ان کا خرچ اٹھاؤ، سواری کے لیے بھی، کھانے پینے کے لیے بھی، لباس کے لیے بھی، اس کے علاوہ وہ باہر سے آنے والوں کو کھلانا پلانا، ضیافتیں کرنا، پھر یہ بھی کہ بغیر ہدیہ کوئی نہ جانے پائے۔ جب کسی کے ہاں قحط پڑے ان کے لیے دلوانا۔ اب خرچہ چار گنا ہو گیا۔ نقل و حرکت کے زمانہ میں بھی، قیام کے زمانہ میں بھی فاقے جھیلنے پڑے، سردی گرمی برداشت کرنی پڑی۔ پیٹ کاٹ کر مقامی اور بیرونی خرچہ کو چلایا، جب ایمان کا کام کرنے والوں نے ایمان کے لیے کمانے کے تقاضوں پر ایمان کے تقاضوں کو مقدم کر دیا، تو حق تعالیٰ شانہٗ نے اس نقشے سے خوش ہو کر اور ساری عرب کی بسنے والی قوم کو اسلام میں داخل فرما کر اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی قربانیوں کی برکت سے ان سارے لوگوں کی تربیت فرما دی، جن کی تربیت کی حکومتیں تک ہمّت نہ رکھتی تھیں۔ آپؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے کہ سارا عرب اسلام سے منوّر ہو چکا تھا، لیکن مدینہ منورہ والوں کے گھر خالی ہو چکے تھے۔ پھر حق تعالیٰ شانہٗ نے تمام قیامت تک آنے والے آدمیوں کو یہ دکھانے کے لیے کہ اسلام محض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے نہیں پھیلا بلکہ محنت سے پھیلا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد سارے عرب کو مرتد بنا دیا کہ قیامت تک کے آنے والوں کو

پتہ چل جائے کہ جب بھی ہم اس نقشے کو لے کر اٹھیں گے تو سارے عالم کے خاکے دُرست ہو جائیں گے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہونے کے بعد بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو بیٹھنے نہیں دیا، ایک دم سب کو نکال دیا، ایسی بھوک و پیاس کے حالات میں اور آپ کے وصال کے غم کی حالت میں نکال دیا۔ یہاں تک کہ تین دن اور تین رات مدینہ منورہ میں ایسی حالت میں گذرے کہ ہر وقت حملہ کا خطرہ تھا۔ ایک بالغ بھی مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھا۔ ایک سو پچاس تو قُرب وجَوار میں نکلے، باقی ملکِ شام کو نکل گئے۔ اللہ ربّ العزّت نے اس محنت کی پوری دنیا کو قیمت دکھائی کہ قلیل عرصہ میں سارا عرب اس نقشے پر آگیا جس پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے نہ صرف یہ کہ سب مسلمان ہو گئے بلکہ اسی طرح پوری محنت پر آگئے تو اصل اسلام کا نقشہ یہ ہے کہ ایسی فضا پیدا ہو جائے کہ جس کو جس وقت جہاں کہیں بھی کہا جائے سب کچھ چھوڑ کر ان کے ساتھ لگ جائیں۔ اب آپ ہی تبلائیں کہ آج کی محنتوں اور اس محنت میں کتنا فرق ہے۔ تو اصل سمجھو اس نقشے کو۔ اور یہ سمجھو کہ ہماری محنتیں ابتدائی ہیں، اور ہمیں وہ محنت کرنے والا بننا ہے، پوری جان لگانے والا بننا ہے۔ پورا مال لگانے والا بننا ہے، تھوڑی سی زندگی ہے، اس میں تھوڑا سا وقت کمائی کے لیے نکال لیں، باقی سب دین کے لیے لگا دیں گے۔ بس یہ ذہن میں رکھیئے کہ اصل محنت کا نقشہ یہ ہے۔ اب جتنی قربانیاں ہم میں پیدا ہوں گی کیونکہ یہ قربانیاں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدنِ مبارک اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بدنوں سے نکلی ہیں، اس لیے ان کے بدن اور روح کے انوارات اس میں ہوں گے۔

اب جتنی یہ قربانیاں کام کرنے والوں میں ہوں گی اتنی ہدایت اللہ کی طرف سے آئے گی۔ دین پیسے سے نہیں پھیلے گا بلکہ اس کام کی مدد سے پھیلے گا جو کمائیوں کے نقشے میں تبدیلیاں کرائے گا اور قربانی سے پھیلے گا۔ جب تمہاری قربانی کمائی کو کھینچے گی، ان قوموں تک کو تمہارے ذریعے ہدایت دے گا جو آسمانوں پر جا رہی ہیں، اور

ہم غریبوں کی طرف دیکھتی بھی نہیں۔ جو مسلمان زندگی کے کسی شعبہ میں اسلام کی بات سننے کے لیے تیار نہیں، یہ قربانی ان کو بھی اپنے سارے شعبوں سمیت اسلام پر لے آئے گی اور تمام قربانیوں کا بدلہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حوضِ کوثر پر کھڑے ہو کر دلوائیں گے بشرطیکہ یہ طے کر لو کہ خدا جو کچھ ان محنتوں کے بدلہ میں دے گا وہ دوسروں کو دیں گے خود نہ لیں گے، کیونکہ ایسا کرنے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک پائی جائے گی، قربانی کے دَور میں آپؐ صحابہ رضؓ کے ساتھ تھے اور جب نعمتیں ملنے کا وقت آیا تو آپؐ تشریف لے گئے۔

کِسریٰ کی تو سلطنت ہی جا چکی تھی، جب قیصر و کِسریٰ کے محلات میں رہنے والے بنے ان کے لوگوں میں پھرنے والے بنے تو اس عیش میں آپ ان کے ساتھ نہیں تھے۔

اسی طرح جو اپنی جان و مال کو پوری طرح قربان کر جائیں گے، اور یہاں نہ لینا چاہیں گے وہ آخرت میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہوں گے۔ ان باتوں کا مذاکرہ کرو، اور نیت پورے دین کی کرو۔

جو کچھ کر رہے ہو، اس کو ابتدائی سمجھو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالےٰ تمہاری قربانیوں کو قبول کرے، تمہارے یہاں کے آنے، کھانے پینے بیٹھنے وغیرہ کو اور ہر طرح کی تکلیف برداشت کرنے پر اجر دے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دوسری قوموں میں زندگی گذاری ہے۔ ملکِ شام، مصر، عراق، شرقِ اردن وغیرہ عربی ممالک نہیں تھے۔ وہاں کی زبان دوسری تھی۔ صحابہ کرام رضوان ملکوں میں پہونچے، تکلیفیں برداشت کیں، دوسری زبان میں ترجمان کے ذریعے ایمان کی باتوں کو پہونچایا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی قربانی پسند آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام ملکوں کو ان کی زبان سے نواز دیا۔

اسی طرح ہم آج بھی زبان کے اختلاف سے نہ گھبرائیں۔ تو کیا عجب ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان ہمیں مل جائے اور ہندوستان کے لوگ باہر ممالک میں اور باہر کے لوگ ہندوستان میں پھریں، پھر دونوں ملکوں

کے لوگ عرب جائیں۔ اور عرب کے لوگوں کو یہاں لائیں تو کیا عجب ہے کہ تمہاری زبان بھی عربی ہو جائے۔ یہ سب قربانی سے ہوگا، لہٰذا تم یعنی سیلون والے اس چلہ کو بہت قیمتی خیال کرو۔

(ماخوذ از ماہ نامہ "حُسنِ اخلاق" دہلی، ستمبر ۱۹۹۴ء)

اَلْحِيلَةُ النَّاجِزَةُ

مظلوم عورتوں کی مشکلات کا شرعی حل

آج کل جاہل اور بے رحم شوہروں کے ظلم اور زیادتی کی شکایت عام ہوتی جارہی ہے، بعض لوگ بیوی چھوڑ کر باہر چلے جاتے ہیں اور کسی قسم کی خبر نہیں لیتے، بعض پاس رہتے ہوئے وسعت کے باوجود بیوی کا ضروری خرچ اور دوسرے حقوق ادا نہیں کرتے، بعض مجنون ہو جاتے ہیں یا عنین (نامرد) ہوتے ہیں۔

اور ہندوستان میں چوں کہ قاضی شرعی موجود نہیں، اس لیے ان عورتوں کے بارے میں ایک اعتراض وشبہ پیدا ہوتا تھا کہ ایسی جو عورتیں مصیبت میں مبتلا ہیں، کیا اسلام نے ان کو نجات دلانے کے لیے کوئی راہ نہیں نکالی؟

اس لیے ضرورت تھی کہ ان عورتوں کے لیے کوئی شرعی حکم نجات دلانے کے لیے تحقیق کے ساتھ بیان کیا جائے، الحمد للہ کہ حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے اس کی طرف توجہ فرما کر اردو میں اس کتاب کے اندر فقہ حنفی کے وہ تمام مسائل مستنبط کر کے پیش فرما دیئے جو ان مشکلات کا واضح حل ہے۔ صفحات ۲۲۸

بیان نمبر ۱۰

صحیح محنت کامیابی کی منزل ہے

بیان تبلیغی مرکز گوجرانوالہ میں مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ کا

بروز جمعرات ۱۹۵۸ء

بھائیو! دوستو اور بزرگو!

حق تعالیٰ شانہٗ نے محنت کی دولت عطا فرمائی ہے۔ اور یہ محنت کی دولت ضائع بھی کی جاسکتی ہے۔ اور ٹھکانے بھی لگائی جاسکتی ہے۔ مگر جو اپنی محنت کو ضائع کرے گا وہ ناکامی کا مونہہ دیکھے گا۔ اور جو صحیح طور پر لگا دے گا وہ کامیابی پائے گا۔ بڑی بڑی حکومتیں اپنی نیت کی غلطی پر نیست و نابود ہو جاتی ہیں اور موت کے گھاٹ اُتار دی جاتی ہیں۔ جب کہ معمولی معمولی انسان اپنی محنت کی صحت پر بڑی بڑی کامیابیوں پر پہونچ جاتے ہیں۔ ہر ایک کی محنت اس کے بدن سے نکلتی ہے۔ جو بھی صحیح محنت اختیار کرے گا کامیابی کی منزل پر پہونچ جائے گا۔

اور ایک رُخ محنت کا غلط ہے، اس پر جو قدم اُٹھائے گا وہ ناکام ہوگا۔ غلط رُخ یہ ہے کہ انسان اپنی انسانیت کی نوعیت سے جو دیکھتا ہے اور جو اُس کی ذاتی تحقیق ہے، جب محض اسی کو منزل سمجھے گا تو ٹھوکر کھائے گا اور اس کی یہ محنت صحیح نہیں ہوگی۔ انسان جب اپنے آپ پر غور کرے گا تو انسانیت کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ یہ بات نہیں کہ وجود کا سلسلہ جہاں سے چل رہا ہے انسان کو نظر نہیں آتا۔ وُزَرار، حکّام، سائنس داں اور جس قسم کا بھی انسان ہو، اُس کو سب کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ کچھ دکھائی دیتا ہے، اور بہت سا غائب ہے۔ اور مسئلہ کا تعلق غائب یا مشاہدہ سے ہے۔ انسان کو مادّہ جسم شکل و

صورت دکھائی دیتی ہیں اور یہ بھی پوری نظر نہیں آتیں۔ اس کو مادہ اجسام شکل وصورت نظر آتی ہے، لیکن کما حقہٗ پوری نظر نہیں آتی۔ انسان اپنے احاطہ کے اندر ہے۔ اور جو احاطہ میں ہے، اس کو محیط نظر نہیں آتا۔ جو انسان مسجد کے اندر بیٹھا ہوا ہے، اس کو پوری مسجد دکھائی نہیں دیتی۔ جو احاطے میں ہے، اُسے محیط نظر نہیں آتا، صرف اندر کے رُخ سے نظر آتا ہے۔ اور اندر سے بھی پورا نظر نہیں آتا۔ اندر کے چھ رُخ ہیں، اس میں سے بھی جدھر دیکھتا ہے، وہ نظر آتا ہے۔ جب انسان کو چھوٹا سا مکان پورا نظر نہ آئے تو اس کو ساتوں زمین وآسمان جو اُس کو گھیرے ہوئے ہیں۔ وہ پورے کس طرح نظر آسکتے ہیں۔

مثال کے طور پر یوں سمجھو، جب تک انسان ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، وہ یوں سمجھا ہوگا کہ کل کائنات ماں کا رحم ہوتا ہے۔ اور باہر کی کسی چیز کی اُس کو خبر نہ تھی جب وہ اس احاطے سے باہر آیا، پوری عورت نظر آئی۔ اس طرح سے موت پر اس کی تحقیقات بدل جاویں گے۔

فرعون جو کہ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہتا تھا، وہ بھی موت کے وقت کہہ اٹھا کہ میں اس خدا پر ایمان لایا ہوں، جو موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) کا خدا ہے۔ انسان جو کچھ دیکھ رہا ہے، اس کی تحقیق کر رکھا ہے، وہ بھی اُس کو پورا نظر نہیں آتا۔ اور روح جو انھیں پوری نظر نہیں آئی اس کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اپنے اندر روح کا وجود سارے مانتے ہیں۔ باعتبار انسان ہونے کے روح کی تحقیق یہ ہے کہ دکھائی نہیں دیتی ہے، جسم میں ہوتی ہے۔ ہم جسم سے بولتے نظر آتے ہیں، لیکن یہ بولنا روح کی طاقت سے ہو رہا ہے، اگر روح نکال دی جائے تو سارے اعضاء اپنا کام چھوڑ دیں گے، جو دکھائی دے رہا ہے، یہ وجود اصلیہ نہیں ہے، بلکہ وجود تابع ہوتا ہے، وجودِ اصلیہ بالکل نظر نہیں آتا، وہ غائب ہے۔ اور جو انسان کے جسم میں موجود ہے وہ انسان کے مشاہدے سے غائب ہے۔

آگے چلیے وہ خدا کی ذات جس سے اَرواح اور اَجسام چل رہے ہیں۔ اسی نے

سب کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اللہ رب العزت نے زمین اور آسمان کا نظام چلایا، جس سے غذائیں تیار ہوئیں۔ اور جن کو انہوں نے کھایا اور اس سے خون بنا، خون سے مادّہ تیار ہوا، جو رحمِ مادر تک پہونچا۔ اور اس سے جسم تیار ہوا۔ آگے روح سے جسم پیدا نہیں ہوا، بلکہ روح کو اللہ رب العزت نے براہِ راست فرشتے کے ذریعے رحمِ مادر میں داخل کیا۔ یہ حقیقت نہ وزیروں کو نہ مالداروں کو اور نہ سائنسدانوں کو نظر آتی ہے، اس لیے وہ محنت کی بنیاد ان اجسام کو سامنے رکھ کر اٹھائیں گے۔ اس طرح نفع کی حقیقت کس طرح سامنے آئے گی؟ جس طرح انسان کے جسم میں روح کو استقلال نہیں، اسی طرح سے غلہ سے پیٹ بھرنا بھی استقلال نہیں کہلا سکتا۔ سورج کے اندر روشنی اور پانی سیرابی حقیقت نہیں ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ ان میں یہ خوبی قائم رکھیں گے قائم رہے گی، انسان کو ظاہری شکلوں کا پتہ ہے لیکن حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔ انسان کو یہ پتہ ہے کہ ایٹم بم سے جاندار مر جائیں گے لیکن انسان کی نظر سے یہ غائب ہے کہ وہ اللہ اس کے اندر سے طاقت کو نکال دے اور ایٹم بم سے چیونٹی بھی نہ مرے۔ مال کی حقیقت معلوم نہیں۔ انسان کو اس کی تحقیق نہیں کہ کب اس سے نفع حاصل ہوگا۔ انبیاء علیہ السلام کا موضوع یہ ہے کہ وہ انسانوں کو حاضر اور غائب دونوں بتا دیں، کہ کتنا انسانوں کے سامنے ہے اور کتنا ان کی نظر سے غائب ہے۔ انسان کا علم، اس کے تجربے اور اس کے اعمال کی بنیادیں ناقص ہیں اور جو ناقص پر محنت اُٹھاویں گے، وہ نقصان اُٹھاوینگے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے یہی بتلایا کہ یہ جو دکھائی دے رہا ہے، یہ حقیقت نہیں ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ خدا کس طرح ان کی خاصیت کو بدل سکتے ہیں۔ سب سے زیادہ قرآن، تورات، زبور اور انجیل میں بتلائی۔

لاالٰہ الا اللہ یہ کلمہ صرف دو بول نہیں ہیں بلکہ جتنی لائن سے ہم ناقص ہیں، ان سب میں کمال پیدا کرنے کے لیے لاالٰہ الا اللہ جو کامیابی جو ناکامی جو عزت جو ذلت تمہیں مخلوق میں دکھائی دے رہی ہے، بنانے والے کے کرم سے اس میں ہے، مخلوق میں ذاتی طور پر کچھ نہیں ہے، بلکہ خدا یعنی بنانے والے کے قبضے میں ہے۔ جب چاہے گا

آگ میں جلانا اور پانی میں سے سیرابی نکال کر رکھدے گا۔ مستقل طور پر کسی میں کچھ نہیں ہے۔ اور خدا کی ذات میں مستقل طور پر ہے۔ خدا نے جو تاثیر کسی چیز میں رکھی ہے جب چاہے گا وہ اُسے بدل دے گا۔ جو تمہیں چاند میں، زمین میں، ہوا میں دکھائی دیتا ہے وہ ان میں نہیں ہے، بلکہ خدا کی ذات میں ہے۔ سب کے وجود کو ختم کرنا ایک خدا کے وجود کو ثابت کرنا انبیاء علیہم السلام نے بتایا ہے۔ کون سی ذات تابع ہے اور کون سی متبوع ہے۔ زمین و آسمان خدا تعالیٰ کی قدرت کے مظہر ہیں۔ اور انسان اپنی غلط فہمی سے انھیں اصل سمجھا ہے، حکومت، مال وغیرہ سے اپنا مسئلہ طے کرتے ہو مسئلہ اللہ رب العزت سے طے کرلو تو کامیاب ہوجاؤ گے، تابع کا وجود اصل نہیں ہے، بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

ہدایت انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ میں نہیں بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ غرض کہ جتنی بھی چیزیں ہیں ان کا وجود ذاتی نہیں ہے، بلکہ خدا کی ذات میں ہے۔ یہ اپنی بڑی تحقیق ہے۔ فوراً لا الٰہ الا اللہ کو سامنے لاؤ، خدا تعالیٰ چاہے تو نفع والے میں نقصان اور نقصان والے میں نفع، عزت والے میں ذلت اور ذلت والے میں عزت لے آویں۔

خُدائی نظام

شکلیں بدلنا معمولی بات ہے اور یہ خدا کا کام ہے، لکڑی کو اژدہا اور اژدہا کو لکڑی بنا دیں۔ خاصیتوں کا بدلنا خدا کی ذات میں ہے۔ چیزوں کے وجود کا سلسلہ براہِ راست خدا کی ذات سے چل رہا ہے۔ چیزیں بنانے والے خدا تعالیٰ ہیں۔ ایک جنس سے دوسری جنس بنا دیں۔ اگر خدا کا نظام انسان کے مقابلے میں آجاوے گا، تو ساری محنت رائیگاں ہوجائے گی۔ خدا کا نظام اصلی نظام ہے۔ وہ نظام انسانی نظام میں تغیر و تبدل کردے گا اور انسانی نظام بادل کے سائے کی طرح ہے۔ خدا کا اپنا نظام ساتوں آسمانوں اور زمین میں پھیلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس پورے نظام کے بغیر جو چاہیں بنا کر دکھلا دیں۔ حکومتیں اپنا نظام بناتی ہیں۔ اور چھ ماہ کے بعد

جب اس کے خلاف ہوتا دیکھتے ہیں تو پھر مشورہ کرنے کے لیے مل بیٹھتے ہیں۔ خدا کا اپنا نظام ہے جو ساتوں آسمانوں اور زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ اگر انسانی نظام اس کے مقابلے میں آجاوے گا تو پاش پاش ہوجاوے گا۔ انسان چیزوں کا وجود اپنی محنت میں دیکھتا ہے۔ ملک تمہاری محنت اور تمہارے نظام کے ماتحت نہیں ملے گا۔ بلکہ خدا کے نظام کے ماتحت کسی کو ملک ملتا ہے، کسی سے چھنتا ہے۔ خدا کے اپنے نظام سے چیزوں کا وجود اور چیزوں کی تقسیم ہے، پرورش خدا کی طرف سے ہی ہوگی۔ حالات چیزوں سے مرتب نہیں ہوں گے، بلکہ خدا کی طرف سے مرتّب کیے جائیں گے چیزوں کے بننے کی محنت اور پرورش کے لیے محنت تو خدا کی طرف سے ہے۔

اب تمہارا ہمارا کیا کام ہوا، ہمارا موضوع چیزوں کے بننے، چیزوں کے تقسیم کرنے اور پرورش کو سامنے رکھ کر محنت نہیں کرنا ہے، بلکہ ان کے پیدا کرنے والے اور قابو رکھنے والے خدا کو راضی کرنے کی محنت کی جائے۔ جب ہم خدا کو راضی کرنے کی محنت کریں گے تو وہ وسائل بھی مرحمت فرمائیں گے۔ اور پرورش بھی اچھی کرکے دکھلائینگے دنیا بھر کی چیزیں خدا کی قدرت سے بنتی ہیں اور قدرت سے تقسیم ہوں گی۔ اور اللہ جلّ شانہٗ ان سے جو چاہیں گے ظاہر فرما دیں گے۔ محنت کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک تو چیزوں کو سامنے رکھ کر محنت کرنا اور چیزوں کی شکل پر اعمال کی پرواہ نہ کرنا۔ آج حکومتوں والے، تجارت والے، زراعت والے اسی پر محنت کی بنیاد اُٹھا رہے ہیں کہ چیزیں بن جاویں۔ سڑک اور مکان کی شکل کے پیچھے چلائیے اور اس کی پرواہ نہ کی کہ اس میں کسی کا حق تو ضبط نہیں کیا جا رہا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے اپنا مکان بنانے کا حکم دیا۔ پیمائش میں ایک بڑھیا کا مکان آگیا۔ ابھی بنیاد ہی بھری جا رہی تھی کہ فرشتہ آیا اور اللہ تعالےٰ کا پیغام لایا کہ اے داؤد میری عزت کی قسم اب میں تجھ سے اپنا گھر نہیں بنواؤں گا حضرت داؤد علیہ السلام ڈر گئے اور عرض کیا کہ اے اللہ! اگر مجھ سے نہیں بنواتے تو میرے لڑکے سلیمان سے بنوالیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ آیا تو بڑھیا سے

زمین کا معاملہ کیا، اس نے لاکھوں اشرفیاں مانگیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے سوچا۔ اللہ رب العزت کی طرف سے وحی آئی، ہمارے مال سے دیتے ہو یا اپنے مال سے۔ اگر ہمارے مال سے دیتے ہو تو پھر سوچ کس بات کی؟

اعمال کی خرابی سے بڑی بڑی حکومتیں، بڑی بڑی اکثریتیں برباد ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا چیزوں سے شکلوں کو سامنے رکھ کر محنت کی بنیاد نہ رکھی جائے۔ کسی کی زمین دبالی اور یہ کہہ کر اپنے دل کو سمجھا لیا کہ اللہ رب العزت غفور الرحیم ہیں۔

اللہ رب العزت کی دوسری صفات بھی ہیں۔ بڑی بڑی قومیں، ملک، انسان مصیبتوں کی بھٹیوں کے اندر جھونک دیئے جاتے ہیں۔ اپنے اعمال کی خرابی پر یہ دو بنیادیں ہیں، یا تو چیزوں کی شکلوں کو حاصل کرنے میں اعمال کی پرواہ نہ کروگے یا اعمال کی درستگی کے لیئے چیزوں کی پرواہ نہ کروگے۔

لہٰذا سارے شعبوں میں گھسنے سے پہلے جہاں تم جاؤگے وہاں تم کو شکلوں سے واسطہ پڑے گا، وہاں گھسنے سے پہلے اپنے دل میں عہد کرلو کہ ہم چیزوں کی پرواہ نہ کریں گے۔ بلکہ اعمال کی صحت کا لحاظ کریں گے۔ دین اسلام تجارت، زراعت وغیرہ کا انکار نہیں بس ان میں گھسنے سے پہلے اپنے یقین کو درست کرلو۔ ملازمت میں گھسنے سے پہلے عمل کی اہمیت دل میں بٹھا لو۔ کروڑوں کی مالیت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے عملوں کو درست رکھا جائے۔ انسان کا اپنا ایک مزاج ہے۔ ایک خدا کی نسبت ہے۔ انسان کی نسبت فائدہ لینے کی ہے، اور خدا کی نسبت فائدہ دینے کی ہے۔ تجارت کا ایک طریقہ تو انسان اختیار کرے گا وہ یہ کہ اس کو فائدہ حاصل ہوا۔ اور ایک خدا کا بتلایا ہوا طریقہ ہے جس میں دوسروں کو فائدہ پہونچے گا۔ دین میں اجتماعی فائدہ کو سامنے رکھ کر تجارت کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ تو حاکموں کے اور محکوموں کے بھی خدا ہیں، تو وہ ایسا طریقہ بتلاویں گے جس سے دونوں کو فائدہ پہونچے۔

اسلام کی بنیاد تو یہ ہے کہ دوسروں کے مفاد کا لحاظ کرتے ہوئے اعمال کی تشکیل

کی گئی ہے۔ اور انسانی مزاج کے اندر دوسروں کو نظر انداز کیے بغیر اپنے فائدہ کے لیے قدم اُٹھانا ہے۔ اسلام ایک مجاہدہ والوں کا نقشہ ہے۔ اس میں ظواہر پر سے نظر ہٹے۔ اپنی ذات پر سے نظر ہٹے۔ بلکہ خدا کی ذات پر نظر کر کے محنت کرنے کی صورت پیدا کی گئی ہے۔

جس طرح تمہیں ہر طرح نظر آنے والی چیز پر یقین ہے۔ اسی طرح سے تم رحم و انصاف پر سچائی پر صدقِ کامل سے یقین پیدا کرو۔ پہلی آسمانی کتابوں کو اٹھاؤ، وہاں تم کو اعمالوں کی محنت ملے گی۔ خون چوسنے اور خون کی حفاظت کرنے سے کیا ہوگا تمہیں یہ بات انبیاء علیہم السلام بتادیں گے۔ تم چیزوں اور شکلوں میں پرورش نہ سمجھو بلکہ چیزوں کے بنانے والے پر یقین کر کے چلو۔ کبھی اللہ رب العزت چیزوں کو دے کر امتحان لیں گے اور کبھی چھین کر دیکھیں گے۔ محض اپنی آنکھ سے دیکھ کر چلنے میں انسان کو کچھ خصوصیت نہیں ہے، ایسا تو سارے کر ہی رہے ہیں، پھر انسان ہونے کا کیا فائدہ ہوا۔ اگر صرف جانوروں کی طرح اپنی ذات، اپنے بچوں ہی کا فکر کرنے والا بنے تو انسان اور جانوروں میں کیا فرق رہا۔

بھورے چیونٹوں نے تین چار پتے جوڑ کر ایسا کرلیا، کہ ایک سوراخ میں وہ آ جا رہے تھے، اگر ہم نے صرف انہی چیزوں کو کیا تو جانوروں کی حد سے نہیں نکلے۔ اللہ ربّ العزّت نے انسانوں کو وہ اعمال دیئے ہیں جن سے ہزاروں، لاکھوں انسانوں کی زندگیاں بنتی ہیں۔

آج یوں کہا جاتا ہے کہ آزادی ہے، جس کا جو جی چاہے کرلے، چوراہے کا سپاہی کھڑا ہوا ٹریفک کو جو روک رہا ہے، اس میں ہزاروں کی حفاظت ہو رہی ہے۔ بچہ آگ کی طرف جاتا ہے، چھت سے گرنا چاہتا ہے، لیکن ماں اس کو روکتی ہے۔ جتنی پابندیاں لگا رکھی ہیں، ان کا مقصد کامیابی ہے، اور جتنے اعمال مقیّد نہیں رہتے ان کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ یہ تو فکر ہے کہ سواری، سڑکیں، لباس اور خورد و نوش کا معیار بہتر سے بہتر بنایا جائے۔ جب کہ ضرورت یہ ہے کہ عمل میں بہتری پیدا کی جائے،

وسائل خواہ کم ہوں، لیکن عمل کے نقشے صحیح آجائیں۔ جو اچھے اعمال اپنائیں گے، ان کو یہ اعمال دنیا و آخرت، پل صراط، برزخ، غرض یہ کہ ہر مقام پر سرخروئی کا ذریعہ ثابت ہوں گے۔ خدا کی عبادت، خدا کا ذکر، اچھے اخلاق ہر جگہ کام دیں گے۔ اعمال کا معیار تمہارے ساتھ جاوے گا، جہاں اعضاء جائیں گے وہاں ان سے نکلے ہوئے اعمال ساتھ جاویں گے، جہاں تم ہوگے وہاں تمہارا عمل ہوگا۔

قرآن کیا کہتا ہے؟

قرآن و حدیث پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ نیک اعمال اپنانے پر ہی اجر ملتا ہے۔ چیزیں زمین سے نکلتی ہیں اور زمین ہی پر رہتی ہیں، لیکن اعمال آگے بھی کام آئیں گے۔ دائیں جانب اچھے عمل لکھنے والا اور بائیں جانب بُرے عمل لکھنے والا فرشتہ مقرر ہے۔ جب انسان اچھا عمل کرتا ہے، تو اس کی روح کے اندر خوشبو اور راحت پیدا ہوتی ہے۔ اور جب بُرے عمل کیے جاتے ہیں تو ان کے اندر بدبو اور ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ اگر آسمانوں پر خراب عمل پہونچائے جا رہے ہیں تو وہاں سے ہمارے کیے دھرے کا بدلہ ہی ملے گا۔

کلام متکلم میں سے نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بات اللہ تعالیٰ میں سے نکلتی ہے، اسی لیے اہلِ سنت والجماعت کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق نہیں ہے۔ جب تم قرآن پر عمل کروگے تو وہ آسمانوں پر جاوے گا، اور وہاں سے کامیابی کے احکامات آویں گے۔ اگر تم سینکڑوں بھی ہوئے اور تمہارے پاس کوڑیاں بھی ہوئیں تو تم چمکوگے۔ ایسے جا ہو جتنے بھی نقشے بناؤ بنتے رہیں گے بگڑتے رہیں گے، مگر انسانوں کو فلاح نصیب نہ ہوگی۔ جب چیزوں کی محنت کرتے ہیں تو چیزوں کے معیار بڑھتے ہیں۔ جب عمل کا معیار قائم ہوگا تو لوگ معمولی معمولی مکان بنائیں گے، جھوٹا موٹا کھائیں گے۔

دنیا میں ایک زبردست محنت کی ضرورت ہے کہ چیزوں کا یقین ہٹے، خدا کی ربوبیت کا یقین جمے، اور اس کے جمانے کے لیے محنت کروگے کہ چیزوں کی تمہاری

نظروں میں کچھ حیثیت باقی نہیں رہے گی۔ اعمال کی حیثیت ہے۔ اور اگر اعمال اچھے ہونگے خدا تعالیٰ زندگی کو کامیاب بنادیں گے۔ پھر نمازوں کی، علم کی، ذکر کی، اخلاق کی، مجاہدوں کی مشق کرنی ہوگی۔ اس بات کی تحقیق کرکے چلیں گے کہ خدا کس بات کے کرنے سے خوش ہوں گے۔ جب خدا والے طریقوں کو اختیار کرکے چلوگے تو تمہاری ملازمت، تجارت، زراعت وغیرہ سب دین کا کام شمار ہوگا۔ اس طرح اپنے خانگی حقوق پورے کرنے میں بھی خدا کی رضامندی حاصل کروگے۔ آج ہم اپنی محنتوں میں چیزیں سمجھ بیٹھتے ہیں۔ یہ ذہن قارون اور ابولہب کا تھا۔ صحیح ذہن یہ ہے کہ اگر ہمارے اچھے عمل ہوں گے تو ہم کامیاب ہوں گے۔ اس لیے کہا جا رہا ہے کہ زندگی کے شب و روز سے وقت نکالا جائے۔ اس کے اندر ایمان اور عمل کی آواز بلند کی جائے کہ اچھے یقین اور اچھے عمل سے کیا ہوگا۔ چیزوں کی آواز تو رات دن بلند کی جا رہی ہے، اعمال کی آواز بلند کی جائے۔

جس طرح چیزوں پر محنت کی جاتی ہے، اسی طرح سے اعمال بھی دنیا میں محنت سے آتے ہیں۔ یہ تو سب کہتے ہیں کہ اچھے عمل سے زندگی بنتی ہے، مگر میں یوں کہتا ہوں کہ اچھا عمل محنت سے وجود میں آتا ہے۔ اگر تھوڑے دن اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کرتے ہوئے اس محنت پر صرف کرتے ہیں تو اس کے لیے تین چلّے مانگتے ہیں۔ اور ہر سال چلّہ (چالیس دن) دیتے رہو۔ جب اس طرح سے دعوتِ عمل کا یہ پرچم بلند کرتے رہوگے، تو ملک و مال والے بھی تسلیم کریں گے کہ ہاں عملوں کو درست کرنا ضروری ہے۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک لطیف معیار تھا۔ اعمال کی درستگی سے روح کے اندر قوّت پیدا ہوتی ہے۔ اور اعمال کی خرابی سے روح میں کمزوری آتی ہے۔ روح والی چیزیں اعمالِ صالحہ ہیں، ان ہی سے روح کے اندر پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔

(ماخوذ از ”مجموعہ تقاریر حضرت جی مولانا محمد یوسف رح صـ۲۱“)۔

بیان نمبر ۱۱

مدینہ منورہ سے رخصت ہونے والی جماعتوں کو ہدایات

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب علیہ الرحمۃ کی ایک یادگار تقریر

مورخہ ۸ر اکتوبر ۱۹۵۹ء

اللہ رب العزت کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے اپنے فضل و احسان سے بغیر استحقاق کے ہم کو اپنے دین کی محنت میں لگنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور باوجود اس کے کہ ہم نے ایک محنت کو سنا، اور جانا پہچانا، لیکن جو اس کی بڑائی تھی اُس کا کبھی خیال نہیں کیا، اور جو کرنا چاہیے تھا وہ نہیں کیا۔ اور اس نعمت کی قدر نہیں کی جیسی کرنی چاہیے تھی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو گستاخی قرار دے کر ہم کو دھکے دے کر نکال نہیں دیا بلکہ اس میں لگائے رکھا۔ ہم سے لگاتار اس میں کوتاہیاں ہوتی رہیں، نیت کے اعتبار سے بھی اور عمل کے اعتبار سے بھی، اصول کے اعتبار سے بھی اور جذبات کے اعتبار سے بھی، لیکن باوجود اس کے وہ ہم کو بڑھاتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ کام شہروں سے ملکوں میں جا پہنچا۔ اگرچہ کام بڑھ رہا ہے، لیکن اب تک ہم اس کو صحیح طریقہ پر اور اس طریقہ پر جیسے اللہ چاہتے ہیں کرنے کے لائق نہیں بنے۔ یہ کام جس طرح ہونا چاہیے، نہیں ہو رہا ہے لیکن پھر بھی وہ چلا رہے ہیں۔ اور اس کو بڑھا رہے ہیں۔ یہ اس کا بڑا کرم ہے۔ یہاں تک کہ آج ہم کو اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دیار سے اپنے راستے میں نکلنے کی توفیق عطا فرمائی۔

دوستو! سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد سے روانہ ہوا جائے۔ اگر آج ہم کو ساری دنیا کی

حکومت دے دی جاتی تو وہ کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔ لیکن یہ ایک بہت بڑے فخر کی بات ہے کہ جہاں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جس کام کے لیے جایا کرتے تھے۔ آج اُسی جگہ سے اُسی عالی مقصد کے لیے اُن کی مشابہت میں ہم روانہ ہو رہے ہیں۔

انسان جو عمل کرتا ہے اس کے ثمرات نیت کے اعتبار سے مرتب ہوتے ہیں۔ لہٰذا کام کرنے والا سب سے پہلے اپنی نیت کو درست کر کے قدم اٹھائے، دنیا کی عزت، سربلندی اور کامیابی حاصل کرنے کی نیت کوئی بلند نیت نہیں ہے، بلکہ بڑی اور صحیح نیت یہ ہے کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم والی محنت کو کرتے کرتے اس کی اس سطح پر پہنچا دیں جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت تھی۔

ایک منی کے قطرہ سے انسان بنتا ہے۔ وہ انسان نبی بھی ہوتا تھا، ولی بھی بنتا ہے، صدیق بھی شہید بھی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی بناتے ہیں، خود کوئی کچھ نہیں بن سکتا، ہم جو کام کرتے ہیں اس کو کام نہ قرار دیا جائے بلکہ اس کو منی کے قطرہ کی طرح گندا سمجھ کر اس کو اس لیے اختیار کیا جائے اور مانگا جائے کہ اس کو بڑھاتے بڑھاتے اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ کر دیں، بس ہم اسی محنت پر مر جائیں۔ یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ ہماری محنت کا نقشہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کے مشابہ بن جانا سب سے بڑی کامیابی ہے۔ ہم ہر کام میں ہر چیز میں ان کی مشابہت کی کوشش کریں۔ جب پیشاب پاخانہ میں مشابہت مطلوب ہے، تو اس سب سے اونچے کام میں کس قدر زیادہ مطلوب ہوگی۔ دین کی محنت میں سب سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت ظاہری اور باطنی ہونی چاہیے۔ یہ ہمارا انتہائی عروج ہے کہ ہماری محنت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ قرار دیدی جائے۔ قدم اٹھاتے وقت یہ یقین کریں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں میری حیثیت ایک ضد کی نسبت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے کام نہ ہم اس یقین پر کر رہے ہیں۔ جیسے ہمیں کچھ گھر چھوڑنا آتا ہے تو اس گھر چھوڑنے کے اعتبار سے تو کچھ مشابہت ضرور آ گئی۔ لیکن اجزار

کے اعتبار سے شباہت بالکل نہیں آئی، بلکہ اس کے خلاف ہے۔ محنت کرتے کرتے اصلی شباہت پر پہونچنا ہے۔ اگر ہم نے یہ سمجھا کہ ہم کام کرنے ہوگئے تو ہم گر گئے۔ اور اگر ہم یہ سمجھیں کہ اللہ ہمیں کام کرنے والا بنا دیں تو ترقی ہوگی۔

کام بگاڑنے والا ہی صحیح کام کرنے والا بنتا ہے۔ بشرطیکہ وہ طلب پیدا کرے، اور مسلسل محنت کرتا رہے۔ اگر ہمارے دل کی تہوں تک میں یہ بات آجائے تو ہم کو محنت آجائے گی اور ہم جہاں تک پہونچ سکیں گے۔ اس کے آگے اللہ تعالیٰ ہم کو نیت کی حیثیت سے ثواب عطا فرمائیں گے۔ نیت المسلم خیر من عملہ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کی نیت لیے ہوئے تھے بلکہ آپ کی نیت عالم دنیا سے نکل کر عالمِ آخرت تک پہونچی ہوئی تھی یعنی روزِ محشر گناہ گاروں کی شفاعت کراکے ان کو جنت میں داخل کرانا۔

ایک تو ہم یہ نیت کریں کہ ہم اپنا سب کچھ لگا کر ساری دنیا میں محنت کرنے والے بنیں۔ دوسرے یہ نیت کریں کہ ہم اس لیے نکلتے ہیں کہ محنت کرتے کرتے ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے مشابہ ہوتے جائیں اور ہماری محنت کا خاکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی محنت کے خاکے کے مشابہ ہوجائے۔

عالم پر تمہاری محنت کے بقدر اثرات نہیں پڑیں گے، بلکہ نیت کے مطابق اثرات پڑیں گے۔ جہاں جہاں تمہاری محنت کی نیت ہے۔ اللہ ان سب جگہ اثرات ڈالیں گے اور ہدایت لائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک آواز لگائی۔ ایک مقام اور ایک وقت پر لیکن آج تک اس کے ثمرات سارے عالم پر مرتب ہو رہے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کے نقشے کو سامنے رکھو، اور یہ شوق و ولولہ دل میں رکھو کہ وہ محنت حاصل ہوجائے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت تھی۔ اور اس کی کوشش بھی کرو، اور دعا بھی کرو۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت سراسر مشقت اور تکلیف، اور ہماری محنت سراسر آرام۔ تو ہم کیسے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشے پر پہونچ سکتے ہیں۔ لہٰذا نیت

کے ساتھ ساتھ دعا کو ملا لیا جائے، اور ہم اللہ تعالیٰ سے بہت دعائیں مانگیں کہ اللہ ہم کو محنت کے ان نقشوں پر پہنچا دیں، جس نقشہ پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضؓ تھے۔

ہم اپنے آپ کو اس طریقہ پر لگا دیں جس طرح پر دعا قبول ہوا کرتی ہے، اب اس محنت میں اپنی بساط کے مطابق انتہائی کوشش کرنی چاہیئے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کے بہت سے باب ہیں۔ ان میں سے ایک باب وہ ہے جو آپؐ باہر کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ اس کی مشق شروع کردی جائے۔ نکلتے ہی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اگر ہم کو باہر نکلنے کے زمانے میں ان کی محنت کا نقشہ آگیا تو واپس آکر ہم کو محنت کا وہ نقشہ قائم کرنا آسان ہوگا، اور باہر نکلنے کے دوران ہی یہ نیت کرنی چاہیئے کہ گھر جا کر اس نقشے کو اختیار کریں گے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ تھا۔

نیت میں یہ ہو کہ سفر و حضر میں ہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر محنت کرنا ہے۔ اگر نکلنے کے زمانے میں شباہت جاندار ہوگی۔ تو اپنے مقام پر بھی شباہت کرنا اُس کو اختیار کرنا آسان ہوگا، اس سے استعداد پیدا ہوگی محنت میں شباہت کی۔

ہمارے پسماندگان اس وقت بہت آرام سے ہیں بہ نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں کے، جب وہ گھر سے نکلتے تھے اور ہم اپنے کو ان تکالیف میں نہیں ڈال رہے جن پر وہ ڈال رہے تھے۔ اُن کے گھروں میں تو اُن کے نکلنے کے دوران فاقے ہوتے تھے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کے نقشے کے اعتبار سے ہر ایک کوتاہ ہے۔ ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے کوتاہ اور ناقص ہے تو باطنی احسان یعنی نیت اور اخلاص کا کیا ذکر۔ کیونکہ یہ تو اندرونی چیزیں ہیں، ہماری نیت، نیت نہیں، بلکہ تصورِ نیت ہے۔ نیت بہت دیر سے آئے گی۔ بار بار نیت کرتے رہیں تاکہ ہمیں اصلی نیت کرنی آجائے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کیا ہے؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کیا ہے؟ مدینہ منورہ میں بسنے والے تین قسم کے لوگ تھے۔ ایک یہود تھے جو کھلم کھلا دشمن تھے، دوسرے منافقین جو یہود کے مثل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور یہود کی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دینے کی ہر وقت اسکیمیں بناتے رہتے تھے، تیسرے پکے مومن۔ منافقین ہمیشہ تکلیف دینے کی غرض سے ساتھ ہوا کرتے تھے، جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیفیں اٹھانی پڑتی تھیں۔ یہود کو تو آپؐ نے پہلے ہی جواب دیا تھا۔ ایک دفعہ ایک وفد آیا کہ ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم مومن ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم مشرکین کی استعانت نہیں لیتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو نصرانی تھا، آپ اس سے فرمایا کرتے تھے کہ اسلام قبول کر لے، تاکہ تجھے مسلمانوں کے کام کے لیے استعمال کروں۔ اب دو قسمیں رہ گئیں۔ ایک مسلمان ایک منافق۔ منافق سے آپ کو ہمیشہ بہت تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں۔ ایک قافلہ اترا، یہ غزوۂ عربیہ کا واقعہ ہے۔ دو آدمی پانی کے لیے چلے۔ ایک انصاری رضؓ ایک مہاجر رضؓ۔ ان میں اختلاف ہوگیا۔ مہاجر رضؓ نے انصاری رضؓ کو تھپڑ مارا، تو دونوں نے اپنے اپنے قبیلوں کو بلا لیا، لیکن چند سمجھدار لوگوں نے اس معاملہ کو ختم کر دیا۔ جب یہ خبر عبداللہ بن اُبیّ کے خیمہ میں پہونچی تو اس نے کہا کہ ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ ان کو جگہ مت دو، تم نے ان کتوں کو کھلا کھلا کر موٹا کر دیا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)، تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کتے کو موٹا کر دیا۔ اب یہ تم ہی پر بھونک رہے ہیں۔ مدینہ منورہ پہونچ کر ان ذلیلوں کو نکال دو۔

حضرت زید رضؓ ابن ارقم نے یہ خبر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچائی، اور اس کا عبداللہ بن اُبیّ کو پتہ چل گیا، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، بہت وجیہہ تھا، اور آکر

قسم کھا کر کہا کہ میں نے ایسا نہیں کہا تھا۔ بڑے بڑے صحابہ کرام رضؓ نے بھی کہا کہ لڑکے کو سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً کوچ کا حکم دے دیا۔ ایک صحابی رضؓ نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آج آپؐ نے اس قدر جلد کیوں حکم دے دیا؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم نے سنا نہیں کہ اس نے کیا کہا۔ انھوں نے کہا کہ حضور اب اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے جو چاہے بکتا پھرے۔

سارا دن چلایا، یہاں تک کہ قفلِ عقل سے لے کر مدینہ منورہ تک تین دن میں آپ نے طے کیا۔ یہاں تک کہ جب صحابہؓ اُترے تو اُترا نہیں گیا، بلکہ گر گئے اور گرتے ہی گرم ریت پر سو گئے۔

پھر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو حتّٰی کہ مدینہ منوّرہ پہونچ گئے۔ آپؐ نے اس واسطے چلایا کہ تھکن کی وجہ سے کوئی بات ایسی نہ کرے۔ جب مدینہ پہنچے تو عبداللہ بن اُبی کا لڑکا تلوار سونت کر کھڑا ہوگیا کہ تو ذلیل ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں۔ اور تجھے مدینہ منورہ میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ عبداللہ بن ابیّ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے لڑکے سے کہہ دیجیے کہ مجھے مدینہ میں جانے دے، تو آپؐ نے اس سے اجازت دلوا دی۔ یہ کتنی ذلت ہے کہ اپنے بیٹے سے اجازت لینے کے لیے اس ذات کی سفارش کرانی پڑی جس کو ذلیل کہتا تھا وہ مسجدِ نبویؐ میں خطبہ دیا کرتے تھے۔ اب یہ خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہوا تو سب نے اُسے پکڑ کر کھینچ لیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضؓ سے فرمایا کہ اگر پہلے میں اس کو قتل کرنے کے لیے کہتا تو فتنہ کھڑا ہو جاتا۔ لیکن اس کا آج کوئی بھی ساتھی نہیں ہے، آج چاہو تو قتل کرا سکتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کی بات آپ کی بات ہے۔ عمر کی بات عمر ہی کی بات ہے۔

سب چیزوں کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خوب برداشت کرتے رہے۔ اب ایک قسم مومن یعنی صحابۂ کرام رضؓ کی رہ گئی۔ ان کو ساتھ لے کر آپؐ نے ایک محنت اُٹھائی

اس کی اس طرح تربیت فرمائی کہ جس وقت آواز لگائی جائے، یہ جواب نہ آئے کہ میں نہیں جا سکتا، خواہ لاکھوں کا نقصان ہو جائے، کوئی عذر سامنے نہ آئے، جان اور مال اللہ کے راستے میں خرچ ہونے میں کوئی چیز مانع نہ آئے۔

ایک ادا یہ تھی اور اگر یہ بات آجائے کہ اللہ کا یہ حکم تھا اور ہو نہ سکا تو گھبراہٹ آجائے۔ خندق کی جنگ سے واپسی پر ہتھیار اُتار دیئے، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ ہم فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار اتارے نہیں۔ آپ نے کیوں اُتار دیئے۔ آپؐ گھبرا گئے اور فرمایا کیا بات ہے؟ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ بنو قریظہ کا معاملہ باقی رہ گیا ہے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ فوراً سب جاؤ اور عصر کی نماز جا کر بنو قریظہ میں پڑھو۔ صحابہؓ دوڑے حتیٰ کہ آفتاب غروب ہونے لگا۔ اب دو فرقے ہوگئے۔ ایک فرقہ نے عصر کی نماز بنو قریظہ میں پڑھی، دوسرے فریق نے آخر وقت میں راستے میں پڑھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ باہر سے پہونچیں، ہم اندر سے پہنچتے ہیں، اور ہم ان کو آپ کے پہنچنے سے پہلے مرعوب کردیں گے۔ ان کے جانے نے ان کو مرعوب کر دیا، اور آپؐ بھی وہاں پہونچ گئے، اور بہت جلال کا اظہار کیا کہ کبھی ایسا نہیں کیا تھا اور فرمایا کہ اے بندرو! سورو! اور بہت ذلیل کرنے والے الفاظ سے پکارا، جس سے وہ بہت مرعوب ہوگئے انھوں نے کہا کہ ہم نے پہلے آپ سے ایسے الفاظ کبھی نہیں سنے تھے۔ ہم ابولبابہ رضؓ سے پوچھ لیں، کیونکہ یہ سب اپنے تھے، وہ رونے لگے۔ ابولبابہ رضؓ بھی رونے لگے، جب انھوں نے پوچھا کہ کیا ہوگا تو آپ نے اشارہ سے کہا کہ گلے کٹیں گے، پھر ان کو بڑی ندامت ہوئی کہ میں نے ایک راز فاش کر دیا۔ اُس پر آکر مسجدِ نبوی کے ستون سے اپنے کو باندھ دیا، ان کی بیوی آتیں، نماز کے وقتوں پر کھول دیتیں، اور پھر باندھ دیتیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کی مغفرت کرا دیتا اب جو شکل انھوں نے اپنے لیے خود تجویز کی ہے جب تک اس شکل پر معافی نہیں آئیگی میں ان کے لیے معافی نہیں مانگوں گا، اور کھولوں گا بھی نہیں۔ غرض بہت دنوں بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ خندق میں زخمی ہوگئے، ان کے گلے میں تیر لگا اور خون بہنے لگا، انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ اگر قریش کا حملہ باقی ہے تو مجھے حملہ تک زندہ رکھ۔ اور اگر نہیں ہے تو مجھے زندگی کی ضرورت نہیں اور کہا کہ اس مدت کے لیے زندہ رکھ کہ غداروں کا فیصلہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں، ان کا خون بہنا بند ہوگیا۔ آپ نے ان کا خیمہ صحن مسجد میں ڈلوا دیا، اور فرمایا کہ جو تم ان کا فیصلہ کروگے وہ ہمیں منظور ہے اس کے بعد حضرت سعد بن معاذ رضؓ گئے اور بنو قریظہ سے پوچھا کہ تم کو میرا فیصلہ منظور ہے اس کے بعد پھر ان کی طرف منہ کرکے پوچھا کہ آپ کو میرا فیصلہ منظور ہے۔ راستہ میں صحابۂ کرام رضؓ ان سے کہتے جاتے تھے کہ یہ سب اپنے ہی ہیں۔ اگر ایک غلطی ہوگئی ہے تو کیا ہے۔ وہ سنتے جاتے تھے، قول و قرار کے بعد آپ نے فیصلہ دیا کہ میری قوم کے سب بالغ قتل کیے جائیں، اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا دیا جائے۔ اور مہاجرین میں تقسیم کیا جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے وہ فیصلہ دیا جو ساتوں آسمانوں میں ہو چکا تھا۔ رات کو جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور پوچھا کہ آج کس کا انتقال ہوگیا۔ آپ نے گھبرا کر فوراً سعد رضؓ کو دیکھا کہ ان کے گلے کا خون جاری ہو چکا تھا اور آخری سانس لے رہے تھے۔ آپؐ نے ان کے سر کو اپنے زانوؤں کے اوپر رکھ لیا، صحابۂ کرام رضؓ چاہ رہے تھے کہ سعد رضؓ کا خون حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ آئے، بلکہ ان حضرات پر گرے، اور اس لیے ان کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لینا چاہتے تھے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر ہی ان کا خون لے رہے تھے۔

پھر جب حضرت سعد رضؓ کا انتقال ہوگیا تو فرمایا کہ جلدی ان کا جنازہ تیار کرو کیونکہ فرشتے بڑی تعداد میں آئے ہیں، کہیں ہمارے ہاتھ سے حنظلہ رضؓ کی طرح یہ بھی نہ چلے جائیں، فرشتوں کی کثرت کی وجہ سے آپؐ پنجوں کے بل چل رہے تھے اور فرماتے تھے کہ کوئی جگہ فرشتوں سے خالی نہیں۔

ایک طرف جان خرچ کرنے والا بنایا، حکم پورا کرنے سے پہلے نہ اُٹھنا۔ اور جب تک حکم پورا نہ ہو نہ ہٹنا، اور جو اپنے اوپر گذرے اس کی پرواہ نہ کرنا۔ اس جان پر خواہ

کچھ گذرے فوراً حکم پورا کرنے کے لیے اٹھنا۔ اور جب تک حکم پورا نہ ہو نہ ہٹنا اور مالیات کے اعتبار سے ایسا بن جانا کہ گھر والوں کی رعایت سے پیسے نہ خرچ کرنا، بلکہ نقل و حرکت کی رعایت سے خرچ کرنا، خواہ گھر والوں پر کچھ گذرے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان نئے مسلمانوں کو اتنی اتنی کھجوریں ہدیہ میں دے دو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ خدا کی قسم ہمارے گھر والوں کے پاس صرف اتنی کھجوریں ہیں جو صرف چھ ماہ چل سکتی ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے سن کر فرمایا کہ اے عمر! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر ایسے کہتے ہو، اور تاویلیں کرتے ہو، ان کو تنبیہ ہوئی، اور فرمایا ضرور دوں گا۔ وہ ان مسلمانوں کو اپنے ہمراہ لے گئے اور فرمایا کہ ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق لے لے۔ وہ کہتے ہیں کہ کھجوریں صرف ایک آدمی کی ضرورت کی تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے برکت دی، اور سب نے اپنی اپنی حاجت کے مطابق لے لیں، اور پھر بھی وہ بچیں رہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کھجوریں سب کے لینے سے پہلے زیادہ تھیں یا بعد میں زیادہ بچیں۔

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی قرض دیتا ہے؟ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اللہ بھی قرضہ چاہتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ ابو درداء نے اپنا انگوٹھا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی پر رکھ کر کہا کہ یہ لیجیے میرا باغ۔ اس کے بعد وہاں سے چلے اور باغ کے باہر ہی سے پکارے کہ اے ام درداءؓ یہ باغ میں اللہ تعالیٰ کو قرض دے چکا ہوں۔ اب میرا نہیں رہا، اس لیے تم باہر نکل آؤ۔

مختلف اوقات میں مختلف تقاضے ہوں گے، اگر اس میں نئے جائیں گے تو کام نہیں ہوگا، آپ کو ہی جانا ہے، خواہ مکان ہی کیوں نہ بیچنا پڑے۔ جان اور مال کو ہر وقت حکم کی تعمیل میں خرچ کرنا، اور حکم کو اپنی حد تک پہنچانا۔

دعا کرو کہ اے اللہ اس طرح محنت کرنے والا بنا دے، ہم ابھی بہت دور ہیں، جانا ہے، خواہ مکان، جائیداد کپڑے بیچنا پڑیں، یہ جذبہ پیدا کرو، بیوی بچوں پر کتنی ہی

تنگی آجائے، بہرحال مجھے جانا ہے، اس سطح سے ابھی ہمارا کام بہت دور ہے۔ نیت کرو کہ اللہ ہمیں اس طرح کام کرنے والا بنا دے۔ جب اس نیت سے کام ہوگا تو اپنی معاشرت کو بدلنا پڑے گا۔ موٹا جھوٹا تھوڑا کھانے پر قناعت کرو، سادے کپڑے اور طریقوں پر قناعت، دین پر پیسہ لگے حوصلے کے ساتھ اور جان لگے ہر وقت، لیکن اپنے متعلقین پر مال بہت کم۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعض سفر ایسے ہوئے ہیں کہ چمڑا جلا کر اس کی راکھ پھانکی کئی سفروں میں ٹڈیاں کھائیں، کئی میں پتے کھائے، کئی سفروں میں کچھ کھانے کو نہیں ملا، گئے اور آگئے بغیر کھائے ہوئے، لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قوت میں کمی نہیں آئی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو فاقہ، یہودی کے گھر گوشت پکنے کی خوشبو پر کئی مرتبہ آگ لینے کو جانا، لیکن گوشت نہ ملنا، ان کا رونا، پھر یہودی کا ان کے گھر گوشت کا بھجوانا۔ ان کے شوہر وہ ہیں جنہوں نے سب سے اول اسلام کے لیے تلوار سونتی۔

کام کرنے والے اگر فاقے اٹھائیں گے تو یہ دلوں کو ہلا دینے والی چیز ہوگی، صحابہؓ باہر جاتے رہے اور باہر والے یہاں آتے رہے۔ باہر جانے والے جاتے رہے، اور تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ اب مدینہ منورہ میں رہنے والے جو باہر گئے تو باہر والے مدینے میں آتے، ان کی خدمت ان کے ذمہ رہی جو مدینہ منورہ میں رہنے والے تھے، مدینہ کے اندر تقسیم کار تھی۔ آنے والوں کو لے کر بیٹھنا اور تعلیمیں کرنا، مختلف قسم کے کام کرنا۔ چار سو ایک قبیلہ آیا، اس کو ایک قوم کی طرف لے گیا اور دین سکھایا۔ ایک ہفتہ کے بعد وہ آئے، تو آپ نے ان کا امتحان لیا اور فرمایا کہ ان میں دین کی کچھ کچھ سمجھ پیدا ہوگئی ہے۔ پھر دوسرا محلہ لے گیا، دین سکھایا اور پندرہ دن میں وہ دین کے پکے بن گئے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کہ میرے صحابہؓ کو کیسا پایا، کہا اپنے بستر ہمارے نیچے بچھا دیئے، اپنے کھانے ہم کو کھلا دیئے، اور دن میں ہمیں خوب دین سکھایا۔ تبوک سے یمن تک کے لوگ آتے تھے اور ان سب کو مدینہ منورہ والے لوگ کھلاتے

تھے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اسّی مہمانوں کو اپنے گھر لے جاتے تھے۔ کام کرنے والوں سے تحفے دلواتے تھے لیکن کام کرنے والوں کو باہر آنے والوں سے کچھ نہیں لینے دیا۔ سب دینے والے تھے، لینے والا کوئی نہیں تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ارب ہا ارب کا مال آیا، حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ دونوں نماز میں مشغول ہوگئے، کوئی پہرہ نہیں، کیوں کہ سب دینے والے تھے، لینے والا کوئی نہیں تھا۔

شادی بیاہ کا نقشہ نقل و حرکت کے تابع ہوگیا، بات طے ہوگئی، بیاہ ہوگیا، لباس، غذا، مکان، شادی بیاہ ہر ایک کا مسئلہ ختم ہوگیا، کام کے دل چسپی کے راستے سارا معاشرہ بالکل بدل گیا تھا، نکلنے کے زمانے میں اگر ہم نے اپنے دلوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشوں کی طرف موڑ لیا، تو ہم اپنی معاشرت کے نقشے کو بدل سکیں گے، محنت کو ان کے نقشے پر لا کر ساری زندگی کو ان کے نقشے پر لانا ہے،

جس طرح نماز میں چار چیزیں ہیں، قیام، رکوع، سجدہ، قاعدہ، اسی طرح باہر نکل کر تبلیغ میں بھی چار چیزیں ہیں، دعوت، تعلیم، نماز، ذکر۔ ان میں سے ہر ایک کی چار شکلیں ہیں (۱) دعوت (۲) خصوصی گشت (۳) اجتماعی دعوت (۴) انفرادی دعوت۔

اجتماعی دعوت میں ایک شخص دعوت دے گا، باقی اُس کی دعوت توجّہ سے سنیں گے۔ اس سے اس کی دعوت میں قوّت ہوگی۔ پوری جماعت ہر دعوت سنتی رہے تو اس کے ایمان میں قوت پیدا ہوگی۔

آج کی بیماری یہ ہے کہ ایمان کی باتیں ہماری زبانوں پر ہیں، دل میں نہیں اُترتیں۔ کچھ ذرائع ہیں جن سے یہ باتیں دل میں اُترتی ہیں، اسی کو سوچو، اسی کی بات کرو، اسی کو دیکھو، اسی کی طرف چلو، اسی کی بات گنگناؤ، وہ چیز دل میں اُتر جائے گی۔ یہ سارے ذرائع ایمان کے لیے استعمال کرو،

جب بات زبان پر ہو اور دل میں نہ ہو تو یہ نفاق ہے، اس سے ڈرنا چاہیئے، زبان

ہی کو ذریعہ بنایا جائے گا، دل کے اندر ایمان کے اُتر جانے کا۔ اب دعوت ہی کو اس کا ذریعہ بنایا جائے گا، دل کے اندر ایمان کے اُتر جانے کا۔ ذکر کرنے والوں کو دیکھیں نماز پڑھنے والوں کو دیکھیں، ساری تدبیریں ایمان کی تقویت کے لیے کرنی ہیں۔ ایمان کو سوچنا اور اسی کے لیے اللہ پاک سے دعاء مانگنا۔

کہنے والے کا اپنے ایمان کی تقویت کی نیت سے دعوت کا دینا۔ سننے والے کو اس نیت سے سننا، کوئی یہ نہ سوچے کہ بات میں کروں، اگر مشورہ میں آپڑی تو اللہ کی مدد ہوگی۔ یہ ہمارے نفس والا داعیہ نہیں رہا۔ دعوت کا وقت ہے، اور کوئی نہیں، تو اب یہ منجانب اللہ مجھ پر آپڑی۔

(۲) تعلیم۔ اجتماعی تعلیم میں ترغیبات و ترہیبات پہلے ہیں، مسائل بعد میں ہیں۔ مکہ مکرمہ میں صرف ترغیبات و ترہیبات ہیں۔ مدینہ منورہ میں دونوں، جب ترغیبات و ترہیبات زندہ ہوں گی، تب مسائل آئیں گے۔ سننے کی اس طرح مشق کریں کہ رغبت کی بات سے شوق اور ترہیب کی بات سے ڈر کی کیفیت پیدا ہوجائے، دوسری شکل سیکھنا تیسرا سکھانا، چوتھا یاد کرنا

(۳) عبادات، پچھلے کی ادائیگی، حال کی ادائیگی، سنتوں کی ادائیگی، نفلوں کی ادائیگی

(۴) ذکر، تلاوتِ قرآن، اذکار و تسبیحات، دعاء مراقبہ و محاسبہ، ذکر والا نمبر روح کی حیثیت رکھتا ہے، شکل دوسرے نمبروں سے ملے گی لیکن روح ذکر سے بڑھے گی۔

اس کے علاوہ چار خدمتیں آئیں گی۔

اپنے نفس کی ضروری خدمت کرنا، اپنے امیر کی خدمت، اپنی جماعت کی خدمت، ان کے علاوہ جو ملے یعنی خلقِ خدا کی خدمت۔

اعمال پر جنت ملتی ہے، خدمت پر خدا ملتا ہے، اپنے اندر تذلّل کا مادہ جب ہی پیدا ہوگا جب ہم دوسروں کی خدمت کریں گے۔ مسلم وہ ہے جو ہر اعتبار سے دوسروں کو اپنے سے بڑھیا سمجھ کر خدمت کرے۔

چار چیزوں کو کم کرنا ہے، کھانے پینے کو، سونے کو، پیشاب پاخانے کو، سواری کا اہتمام

واشغال کو کم کرنا ہے۔

صرف بقدرِ ضرورت کھانا پینا، سونا اور سواری کا استعمال کم سے کم ان سب میں وقت لگانا اور استعمال۔

چار چیزیں بالکل بچنے کی ہیں۔ اشراف، سوال، بغیر اجازت استعمال کو۔ اشراف کیا ہے، میلانِ طبیعت، اگر زبان پر آگیا تو سوال ہوگیا۔ اندر داعیہ رہا، تو اشراف ہے وہ کھانا پاک نہیں رہتا جس میں اشراف آگیا، سوال سے تو حرام ہوجاتا ہے، لیکن اشراف بھی مکروہ ہے۔ اشراف والا کسی نہ کسی دن سوال میں پڑ جائے گا۔ دوسروں کے مال اور کھانے پر بالکل نظر نہ ہو، اشراف سے سارا کام کر کرا رہ جائے گا۔

دوسرے کی چیز کا بغیر اجازت استعمال حرام ہے۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ دوسروں کو اپنی چیزوں کی اجازت دے دے، لیکن خود کسی کی چیز استعمال نہ کرے۔

ہر حال میں ہر چیز میں اسراف سے بچنا ہے۔

چاروں طرف نگاہ نہ جائے، چاروں طرف جماعتیں جائیں۔ عُسر میں یُسر ہے۔

خوب اللہ سے دعائیں مانگو، اندھیرے، اُجالے، اکٹھے، اکیلے۔ چاروں طرف جماعتیں، چاروں حال میں بھیجو، چاروں کے دین میں داخل ہونے کی صورت ہوجائیگی یہود، نصاریٰ، مشرکین، ملحدین۔

چاروں حال ٹھیک ہوجائیں گے، دنیا، برزخ، حشر اور عالمِ استقرار۔

محنت کر کے اللہ سے یہی دعا مانگو کہ اللہ تو ہماری محنت کو قبول کرلے جیسے تو نے محنت کی توفیق عطا فرمائی ہے، ویسے ہی صحیح محنت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم والی محنت عطا فرمائیں، مجھ کو بھی اور سب مسلمانوں کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، غیر مسلموں کو اسلام میں داخل ہونے کی دعائیں مانگو

ان چیزوں سے ہم کو اتنی مناسبت پیدا ہونی چاہیئے کہ اپنے مقام پر پہونچ کر ہم کو ان سے رغبت باقی رہے، اور اپنی معاشرت کو اس نقشے پر لے آئیں، آج کے نقشوں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشے کا پہچاننا بڑا مشکل کام ہوگیا۔ آج کی مسجد سے

مسجدِ نبویؐ کا پہچاننا، ہماری مشقتوں سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مشقتوں کا پہچاننا اپنی معاشرت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت کا پہچاننا مشکل ہوگیا حقیقت سامنے نہیں آتی، الفاظ سامنے آتے ہیں، لفظ اخلاق بولتے ہیں۔ اخلاق ذہن میں نہیں آتے، سادگی بولتے ہیں، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی ذہن میں نہیں آتی، موجودہ معاشرہ حجاب بن رہا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشے کو سمجھنے کا۔ کاش ہمارے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر چلنے کے داعیئے پیدا ہوجائیں۔

(۱) محنت اس طرح ہوجائے جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے والی محنت۔

(۲) پھر اللہ سے محنت کی شکل کے صحیح ہونے کی دعا کی جائے، اپنے لیے، اپنے خاندان والوں کے لیے، اپنے علاقہ والوں کے لیے دعائیں ہوں، نماز پڑھ کر دعا مانگو کہ نماز پڑھنی آجائے، سادگی اختیار کر کے مانگو کہ سادگی آجائے۔ ذکر کر کے مانگو کہ ذکر کرنا آجائے، محنت کر کے مانگو کہ محنت کرنی آجائے۔ اللہ سے مانگو کہ جس طرح تو چاہتا ہے ویسا کرنے والا بن جاؤں۔ اپنی محنت کو ان سے مت ملاؤ جو نہیں کر رہے۔ ان سے ملاؤ جنہوں نے پہلے محنت کی ہے، محنت کرو اور پہلوؤں کو دیکھ کر شرمندہ ہوتے رہو، یہ بڑھنے کی چیز ہے، دوسرے کرنے کی ہے، ہم اپنے کو کرنے والا قرار نہ دیں۔ ہم نہ کرنے والے ہیں، اور اللہ سے مانگیں کہ جو حقیقی محنت کرنے والے تھے ان جیسا ہم کو کردے۔

اپنے ساتھیوں کا اکرام کرو۔ اور سوچو کہ اس زمانہ میں اتنا بھی کوئی کرنے والا نہیں، جتنا یہ کر رہا ہے۔

(ماخوذ از ماہ نامہ "حسن اخلاق" دہلی نومبر ۱۹۹۴ء)۔



CHAI BATEN ISBN 81-7101-034-2

تبلیغی جماعتیں اِن چھ ۶ باتوں کی خاص طور پر عملاً مشق کرتی ہیں اور دوسروں کو اُنہی کی دعوت دیتی ہیں۔ کلمہ طیبہ، نماز پنجگانہ، علم و ذکر، اکرامِ مسلم، اخلاصِ نیت اور تفریغِ وقت یعنی اپنے دنیوی مشاغل سے اپنے وقت کو فارغ کر کے جماعت بنا کر اللہ کے راستہ میں نکلنا سب کے فضائل و آداب اور طریقۂ کار کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ چھ باتیں خورد

باسمہٖ سُبحانہٗ

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ

تعلیمُ النِّساء

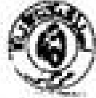
جس میں بہت سادہ اور سلیس اُردو زبان میں

مسلم خواتین کے لئے

بیس ۲۰ سبق

پیش کئے گئے ہیں جو اِسلام کے ارکان اور ضروری تعلیمات پر مشتمل ہیں

تالیف:۔ مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری



ادارہ اشاعتِ دینیات (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۶۸/۲۔ جھا ہاؤس حضرت نظام الدین نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳ (انڈیا)

Muslim Khawatin Ke Liye Bis Sabaq ISBN 81-7101-060-1 PP 96

از مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

اس میں آسان اردو زبان میں ارکانِ اسلام کے فضائلِ والدین، شوہر اور پڑوسیوں کے حقوق، لباس، پردہ، زبان کی حفاظت اور گھریلو زندگی میں اسلام کی مکمل ہدایات کی تفصیل ہے۔



Majmue Bayanat ISBN 81-7101-194-2

Rs. 30/=